وحدت امت کا داعی اور غلبہ اسلام کا علمبردار

پندرہ روزہ

الشریعۃ

گوجرانوالہ

زیر سرپرستی:

شیخ الحدیث مولانا محمد سرفراز خان صفدر دامت برکاتہم

زیر ادارت:

ابو عمار زاہد الراشدی

الشریعۃ اکادمی

مرکزی جامع مسجد گوجرانوالہ

خلافت عثمانیہ اور یہودی سازش

۱۸۹۵ء میں یہودیوں کی عالمی کانفرنس سوئٹزر لینڈ میں منعقد ہوئی جس میں ڈاکٹر ہیزل نے یہودی ریاست کے لیے منصوبہ پیش کیا۔ ۱۸۹۶ء میں متحدہ ہندوستان میں طاعون کی وبا پھوٹ نکلی جس پر قابو پانے کے بہانے یہودی ڈاکٹر ھفکن بمبئی پہنچا جس نے وبا پر کنٹرول کی آڑ میں ہزہائی نس پرنس آغا خان سے ملاقات کرکے انہیں اس پر بات پر آمادہ کر لیا کہ وہ ترک حکمران سلطان عبد الحمید کو آمادہ کریں کہ وہ یہودیوں کے ہاتھوں فلسطین کی کچھ اراضی فروخت کر دے مگر آغا خان کو سلطان نے صاف جواب دے دیا کہ وہ ایک انچ جگہ یہود کو نہ دے گا۔ اس پر یہود نے ۱۹۰۵ء میں جنگ عظیم اول کا یوں منصوبہ طے کیا کہ

--- ○ عالمی جنگ ہو جس میں برطانیہ لازماً حصہ لے

--- ○ ترکی کو ہر حال میں برطانیہ کے خلاف جنگ میں ملوث کیا جائے

--- ○ ترکوں کو ہر حال میں شکست دی جائے

--- ○ اقوام متحدہ (LEAGUE OF NATIONS) تشکیل دی جائے جو یہودی مقاصد کو تحفظ دے

--- ○ برطانوی حکومت کی سرپرستی میں یہودی ریاست قائم ہو

پاکستان اور اسرائیل

۶۷ء کی عرب اسرائیل جنگ کے بعد پیرس میں منعقدہ ایک تجزیاتی کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے اسرائیلی وزیر اعظم بن گوریاں نے کہا کہ

"عالمی یہودی تحریک کو اپنے لیے پاکستانی خطرے کو نظر انداز نہیں کرنا چاہئے اور پاکستان اس کا پہلا ہدف ہونا چاہئے کیونکہ یہ نظریاتی ریاست یہودیوں کی بقا کے لیے سخت خطرہ ہے اور یہ کہ سارا پاکستان عربوں سے محبت اور یہودیوں سے نفرت کرتا ہے۔ اس طرح عربوں سے ان کی محبت ہمارے لیے عربوں کی دشمنی سے زیادہ خطرناک ہے لہٰذا عالمی یہودی تنظیم کو پاکستان کے خلاف فوری اقدام کرنا چاہئے۔ بھارت پاکستان کا ہمسایہ ملک ہے جس کی ہندو آبادی پاکستان کے مسلمانوں کی ازلی دشمن ہے جس پر تاریخ گواہ ہے۔ بھارت کے ہندو کی اس مسلم دشمنی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بھارت کو استعمال کرتے ہوئے پاکستان کے خلاف کام کا آغاز کرنا چاہئے۔ ہمیں اس دشمنی کی خلیج کو وسیع تر کرتے رہنا چاہئے یوں پاکستان پر کاری ضرب لگا کر ہمیں اپنے خفیہ منصوبوں کی تکمیل کرنا ہے تاکہ صیہونیت اور یہودیت کے یہ دشمن ہمیشہ کے لیے نیست و نابود ہو جائیں"

(بحوالہ یونیورسل اسلامک ورلڈ آرڈر از جناب عبد الرشید ارشد، جوہر آباد)

پندرہ روزہ

الشریعۃ
گوجرانوالہ

الشریعۃ اکادمی گوجرانوالہ کا ترجمان

جلد ۱۰ | ۱۶ مارچ ۱۹۹۹ء بمطابق ۲۷ ذیقعد ۱۴۱۸ھ | شمارہ ۶

فہرست مضامین

کلمہ حق	رئیس التحریر	۴
محدثین کا حافظہ اور اس کا امتحان	مولانا محمد سرفراز خان صفدر	۸
سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی عظیم قربانی	مولانا صوفی عبد الحمید سواتی	۹
مغرب میں اسلام کا مستقبل	مولانا محمد عیسیٰ منصوری	۱۰
اسلام اور خواتین کے حقوق	ابو عمار زاہد الراشدی	۱۴
جرس کارواں	رپورٹیں	۱۶
وفاق المدارس کی طرف سے چند ضروری اعلانات		۱۸

زیر سرپرستی
حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر
حضرت مولانا صوفی عبد الحمید سواتی

رئیس التحریر
ابو عمار زاہد الراشدی

مدیر
حافظ محمد عمار خان ناصر

مدیر منتظم
عامر خان راشدی

زر مبادلہ

سالانہ ایک سو روپے
فی پرچہ پانچ روپے
بیرونی ممالک سے
دس امریکی ڈالر سالانہ

خط و کتابت کے لیے

مرکزی جامع مسجد
پوسٹ بکس 331 گوجرانوالہ
فون و فیکس
0431-219663
ای میل
alsharia@paknet4.ptc.pk
ویب ایڈریس
http://www.ummah.net/al-sharia

نرخنامہ اشتہارات

آخری صفحہ	دو ہزار روپے
اندرونی صفحہ ٹائیٹل	پندرہ سو روپے
اندرونی صفحہ عام	بارہ سو روپے

مسعود اختر پرنٹرز میکلوڈ روڈ لاہور میں چھپا اور حافظ محمد عبد المتین خان زاہد نے مرکزی جامع مسجد گوجرانوالہ سے شائع کیا

کلمہ حق رئیس التحریر

اکیسویں صدی اور علمائے کرام

۲ فروری ۹۹ء کو مدرسہ قاسم العلوم شیرانوالہ گیٹ لاہور میں امیر انجمن خدام الدین مولانا میاں محمد اجمل قادری کی زیر صدارت شاہ ولی اللہ سوسائٹی کی ایک فکری نشست میں "اکیسویں صدی اور علماء کی ذمہ داریاں" کے عنوان پر آدھ پون گھنٹہ گفتگو کا موقع ملا اور اس کا خلاصہ قارئین کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے۔

دنیا بھر میں اکیسویں صدی کی آمد آمد کا غلغلہ ہے اور ہر جگہ نئی عیسوی صدی کے آغاز کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ ہمارے ہاں بھی اس موضوع پر بہت کچھ لکھا اور کہا جا رہا ہے اور مختلف حوالوں سے اکیسویں صدی کے تقاضوں پر بحث ہو رہی ہے۔ ہم نے تو اپنی نئی ہجری صدی کا آغاز بیس سال قبل کیا تھا اور اس موقع پر بھی عالم اسلام میں بہت تیاریاں ہوئی تھیں اور تقریبات کا اہتمام کیا گیا تھا۔ اب نئی عیسوی صدی کے آغاز پر دنیا کے مختلف حصوں میں تقریبات منعقد ہو رہی ہیں اور ارباب دانش آنے والے حالات اور ضروریات کی طرف اپنے اپنے ذوق کے مطابق دنیا کو متوجہ کرنے میں مصروف ہیں۔ میں شاہ ولی اللہ سوسائٹی کا شکر گزار ہوں کہ اس عنوان پر آپ حضرات سے کچھ باتیں عرض کرنے کا موقع فراہم کیا۔

بنیادی سوال یہ ہے کہ نسل انسانی جو اکیسویں صدی عیسوی میں داخل ہو رہی ہے، اس وقت مجموعی طور پر کس حالت میں ہے اور دنیا بھر کے ساڑھے پانچ ارب کے لگ بھگ انسان کس کیفیت کے ساتھ نئی صدی کا آغاز کر رہے ہیں؟ ہم اس سوال کا جائزہ لینے کے لیے انسانی معاشرہ کو چار حصوں میں تقسیم کر کے ان پر تھوڑی بہت گفتگو کریں گے۔

سب سے پہلے فرد، کہ وہ انسانی سوسائٹی کا سب سے پہلا بنیادی یونٹ ہے، اس کے بعد خاندان کہ اس سے انسانی اجتماعیت کا آغاز ہوتا ہے۔ پھر علاقائی قومیتیں کہ وہ نسل انسانی کی اجتماعیت کے بڑے بڑے مظاہر ہیں اور آخر میں مجموعی بین الاقوامی ماحول اور عالمی تناظر جو انسانی معاشرت کی آخری منزل ہے۔ ان سب پر بتدریج بحث و گفتگو کے بعد ہی ہم اس ماحول کو اور اس کے تقاضوں کو صحیح طور پر سمجھ پائیں گے جسے "گلوبلائزیشن" سے تعبیر کیا جاتا ہے اور جسے عالمی سطح پر پندرھویں ہجری صدی اور اکیسویں عیسوی صدی کی سب سے بڑی خصوصیت قرار دیا جا رہا ہے۔

جب ہم موجودہ عالمی تناظر میں انسانی معاشرہ کے ایک فرد کے حالات کا جائزہ لیتے ہیں تو پوری دنیا کی ایک بات ہر جگہ یکساں دکھائی دیتی ہے کہ "فرد" جتنا غیر مطمئن اور بے سکونی کا شکار آج ہے، انسانی تاریخ میں اس سے پہلے کبھی نہیں رہا۔ اس معاملہ میں ترقی یافتہ، ترقی پذیر اور غیر ترقی یافتہ ممالک سب ایک جیسے ہیں کہ فرد بحیثیت فرد ذہنی سکون سے محروم ہے، دل کے اطمینان سے بے بہرہ ہے۔ فکری خلفشار سے دوچار ہے اور اس کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ انسانی معاشرہ میں ذہنی سکون کے حصول اور پریشانیوں سے نجات کے لیے مصنوعی سہاروں کا استعمال دن بدن بڑھ رہا ہے۔ جاپان صنعتی ترقی میں ساری دنیا سے آگے ہے مگر خودکشی کا تناسب بھی سب سے زیادہ اسی ملک میں ہے۔ امریکہ دنیا کا سب سے زیادہ ترقی یافتہ اور متمدن ملک کہلاتا ہے مگر معاشرتی جرائم بالخصوص چوری، ڈکیتی اور عصمت دری کی وارداتیں سب سے زیادہ وہاں ہوتی ہیں۔ یورپ مغربی تہذیب وتمدن کی قیادت کا دعوے دار ہے مگر نشہ آور اشیاء کے روز افزوں استعمال کو روکنے کے لیے یورپی راہ نماؤں اور دانش وروں کا تمام تر واویلا صدا بصحرا ثابت ہو رہا ہے۔ خودکشی، معاشرتی جرائم اور منشیات کا استعمال انسان کے داخلی اضطراب اور بے سکونی کا اظہار ہیں اور پریشانی سے نجات کے وقتی اور مصنوعی سہارے ہیں اور آج انسانی معاشرہ مکمل طور پر ان کی لپیٹ میں ہے۔ جب سب سے زیادہ ترقی یافتہ اور متمدن ممالک کا یہ حال ہے تو باقی ممالک اور اقوام متحدہ کے ذکر کی کوئی گنجائش ہی باقی نہیں رہ جاتی۔ اس سے آپ اندازہ کر لیں کہ موجودہ انسانی سوسائٹی میں فرد کا حال کیا ہے اور انسان کی شخصی زندگی کس کربناک کیفیت سے دوچار ہے؟

خاندانی زندگی اور فیملی سسٹم کا حال اس سے زیادہ برا ہے۔ ہم مشرق اور مسلم ممالک تو الحمد للہ بہت بہتر حالت میں ہیں اور ہمارے ہاں خاندانی زندگی کا تقدس بڑی حد تک ابھی قائم ہے مگر آج کی عالمی تہذیب کے علمبردار مغرب نے "فری سوسائٹی" اور "فریڈم" کے نام پر اپنے خاندانی نظام کا جس طرح بیڑہ غرق کر لیا ہے، وہ تاریخ میں عبرت کا باب بن کر رہ گیا ہے۔ آج میخائل گورباچوف مغرب میں فیملی سسٹم کی تباہی کا رونا روتے ہیں اور "پروسٹرائیکا" میں اس ناکامی پر حسرت کا اظہار کرتے ہیں کہ انہیں عورت کو دوبارہ گھر کی چاردیواری میں واپس لے جانے اور گھر کے اندر کی ذمہ داریوں کی طرف متوجہ کرنے کا کوئی راستہ نظر نہیں آرہا۔ جان میجر "بیک ٹو بیسز" (بنیادوں کی طرف واپسی) کا نعرہ لگاتے ہیں اور اپنے

دور حکومت میں گھریلو ذمہ داریوں کو ترجیح دینے والی خواتین کے لیے خصوصی مراعات کا اعلان کرتے ہیں اور امریکہ کی خاتون اول ہیلری کلنٹن مشرق کے فیملی سسٹم پر "رشک" کا اظہار کرتے ہوئے لڑکیوں کو کھلے بندوں مذہبی اقدار کی پاسداری اور ماں باپ کی عزت کی حفاظت کی تلقین کرتی ہیں۔ اس سے آپ بخوبی اندازہ کر سکتے ہیں کہ فیملی سسٹم کی تباہی نے انسانی سوسائٹی کو کس کرب اور اضطراب سے دوچار کر رکھا ہے اور اس سلسلہ میں ستم ظریفی کی بات یہ ہے کہ مغرب خود تو فیملی سسٹم کی تباہی کا رونا رو رہا ہے اور بنیادوں کی طرف واپسی کے راستے تلاش کر رہا ہے مگر ہمارے ہاں مغرب کے پرستار حلقے اور مغرب کے سرمایے پر چلنے والی این جی اوز فیملی سسٹم کو تباہ کرنے کے لیے مصروف عمل ہیں اور ہمیں بنیاد پرستی کے طعنے دینے کے ساتھ ساتھ انسانی حقوق اور فریڈم کے نام پر ہمارے تہذیبی اور ثقافتی ڈھانچے کو سبوتاژ کرنے کے لیے مسلسل ورک ہو رہا ہے۔

علاقائی قومیتوں اور ممالک واقوام کے حوالہ سے دو باتیں عرض کروں گا۔ ایک یہ کہ اس وقت پوری دنیا میں کوئی ایک بھی قومیت یا علاقہ ایسا نہیں ہے جسے باقی دنیا کے سامنے اس کے سسٹم اور نظام زندگی کے تناظر میں بطور مثال اور آئیڈیل پیش کیا جا سکے اور اقوام عالم اس کی پیروی میں کسی قسم کی کشش محسوس کریں۔ دنیا کا ہر ملک اور قوم کسی استثناء کے بغیر "ایڈ ہاک ازم" کا شکار ہیں اور باقی قوموں کے سامنے کوئی نمونہ پیش کرنے کی بجائے اپنے اپنے وجود اور ڈھانچے کے تحفظ میں الجھ کر رہ گئے ہیں اس لیے انسانی معاشرہ میں اس سطح پر بھی سکون اور اطمینان نام کی کوئی چیز دکھائی نہیں دیتی اور اس دائرے میں بھی اضطراب وخلفشار اور ذہنی وفکری انتشار نے ڈیرے ڈال رکھے ہیں اور دوسری بات یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ مغرب نے آسمانی تعلیمات سے بغاوت کے بعد علاقائی اور لسانی قومیتوں کے جن بتوں کو "نیشنلزم" کے نام سے دوبارہ جھاڑ پھونک کر انسانی تاریخ کے سٹیج پر سجا دیا تھا وہ بھی اپنی طبعی عمر پوری کر چکے ہیں اور منطقی انجام کے لیے کسی ابراہیم کی راہ دیکھ رہے ہیں۔

اس کے بعد آجائیں بین الاقوامی ماحول اور عالمی تناظر کی طرف تو آپ کو عالمی سٹیج پر غنڈہ گردی اور بد معاشی کے سوا کوئی منظر دکھائی نہیں دے گا۔ گزشتہ دو صدیوں کے دوران مغربی اقوام نے جس طرح اقوام عالم کی آزادی کو غصب کیا اور نو آبادیاتی کلچر کو منظم کیا' وہ تاریخ عالم کا ایک شرمناک باب ہے۔ پھر اس کے بعد گزشتہ پون صدی کے دوران امریکہ اور روس دونوں نے جس طرح دنیا کی بندر بانٹ کی اور اب باہمی کشمکش میں روس کے بکھر جانے کے بعد امریکہ دنیا کے واحد چودھری کے طور پر جو کچھ کر رہا ہے' وہ سب آپ کے سامنے ہے۔ نام آزادی کا ہے اور حقوق کا ہے مگر عملاً جو کچھ ہو رہا ہے اسے غنڈہ گردی کے سوا اور کسی عنوان سے تعبیر کرنا ممکن ہی نہیں ہے۔ ڈنڈے کا قانون اور جنگل کا قانون آج امریکی استعمار کے ہاتھوں اور اس کے زیر سایہ پوری دنیا پر مسلط ہے اور کسی فرد' گروہ یا قوم کو انصاف کے حصول کے لیے کوئی ضمانت میسر نہیں رہی۔ ہر طرف افراتفری' نفسانفسی اور چھینا جھپٹی کا دور دورہ ہے اور پوری نسل انسانی کسی "مسیحا" کی تلاش میں ہے جو اسے اس دلدل سے نکال کر کے امن وسکون کی شاہراہ پر گامزن کر دے۔

یہ ہے وہ ماحول جس میں دنیا کے ساڑھے پانچ ارب انسان اکیسویں صدی میں داخلہ کی طرف بڑھ رہے ہیں اور اس وقت نسل انسانی کا سب سے بڑا مسئلہ اس ماحول سے نجات حاصل کرنا ہے۔

اکیسویں صدی کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ "گلوبلائزیشن" کی صدی ہے۔ فاصلے سمٹ رہے ہیں اور دوریاں ختم ہو رہی ہیں۔ فون' فیکس اور انٹرنیٹ کے باعث آج یہ کیفیت ہے کہ کسی چھوٹے سے گاؤں میں ایک کنارے سے دوسرے کونے تک رابطہ قائم کرنے میں جتنا وقت لگتا ہے اس سے کہیں تھوڑے وقت میں دنیا کے ایک حصے سے دوسرے حصے میں رابطہ ہو جاتا ہے۔ گفتگو ہو جاتی ہے' تحریروں کا تبادلہ ہو جاتا ہے اور ایک دوسرے کو دیکھا جا سکتا ہے۔ اس لیے اب دنیا ایک محلے کی شکل اختیار کرتی جا رہی ہے۔ علاقائی تہذیبیں اور کلچر دم توڑ رہے ہیں۔ روایات واقدار آپس میں گڈمڈ ہو رہی ہیں اور ایک مشترکہ اور مخلوط کلچر وجود میں آرہا ہے جو پوری نسل انسانی کا اجتماعی کلچر ہوگا اور ساری دنیا ایک مشترکہ سوسائٹی کی شکل اختیار کر جائے گی۔ سوال یہ ہے کہ اس "گلوبلائزڈ کلچر" کی تشکیل میں نسل انسانی کی فکری راہ نمائی اور علمی قیادت کون کرے گا؟ اس وقت دنیا میں جو نظام عملاً رائج ہیں' ان میں سے تو کسی میں اتنی سکت نہیں رہی اور جن فلسفوں کی آج دنیا کے مختلف حصوں میں حکمرانی ہے ان میں سے کوئی اتنا بڑا بوجھ اٹھانے کا اہل نہیں ہے۔ اس لیے آج کا دانش ور ایک بار پھر آسمانی تعلیمات کی طرف دیکھ رہا ہے اور وحی الٰہی کی پناہ گاہ کی طرف واپسی کے راستے تلاش کر رہا ہے۔ دنیا کی اعلیٰ دانش گاہوں میں اس پر ریسرچ ہو رہی ہے۔ انسان کی اپنی عقل ودانش خواہ وہ شخصی ہو' طبقاتی ہو یا اجتماعی' نسل انسانی کی مشکلات حل کرنے میں کامیاب نہیں رہی اور اس کی ہر کوشش نے مسائل ومشکلات میں اضافہ ہی کیا ہے۔ ان میں کمی کسی درجہ میں بھی واقع نہیں ہوئی۔ اس لیے آسمانی تعلیمات کی طرف ایک بار پھر رجوع کے سوا کوئی چارہ کار باقی نہیں رہا۔ اس لیے اکیسویں صدی جہاں "گلوبلائزیشن" کی صدی ہے' وہاں آسمانی تعلیمات کی طرف نسل انسانی کی واپسی کی صدی بھی ہے اور اس حوالہ سے اب ہم علماء اسلام کی ذمہ داریوں پر ایک نظر ڈالنا چاہتے ہیں۔

اکیسویں صدی کا سب سے بڑا چیلنج یہ ہے کہ اس میں علاقائی

تہذیبیں اور کلچر آپس میں گڈمڈ ہو رہے ہیں اور ایک مشترک عالمی کلچر تشکیل پا رہا ہے اور اس عالمی کلچر کی بنیاد کے طور پر انسانی عقل اور اس کے تخلیق کردہ تمام فلسفے اور نظام ہائے حیات بے کار ثابت ہو رہے ہیں۔ اس لیے اہل دانش کو ایک بار پھر آسمانی تعلیمات کی طرف دیکھنے کی ضرورت محسوس ہوئی ہے مگر مسئلہ یہ ہے کہ آسمانی تعلیمات صرف ایک مذہب کے پاس اصلی اور محفوظ حالت میں موجود ہیں اور وہ اسلام ہے۔ باقی کسی مذہب کے دعوے دار اپنی تعلیمات کو اس طور پر دنیا کے سامنے پیش کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہیں کہ ان کے پاس اس وقت جو مذہبی تعلیمات موجود ہیں وہ فی الواقع وہی ہیں جو ان کے پیغمبر پر وحی الٰہی کی صورت میں نازل ہوئی تھیں اور نہ ہی کسی مذہب کے پیروکار یہ دعویٰ کر سکتے ہیں کہ وحی الٰہی کی تشریح میں ان کے پیغمبر نے جو تعلیمات دی ہیں کم از کم وہی ان کے پاس اصل اور محفوظ حالت میں موجود ہیں۔ یہ اعزاز صرف اور صرف مسلمانوں کو حاصل ہے کہ آسمان سے نازل ہونے والی وحی (قرآن کریم) اور اس کی تشریح میں پیغمبر اسلام ﷺ کی تعلیمات (سیرت وسنت) ان کے پاس اصل حالت میں موجود ہیں اور تاریخ کے ریکارڈ کا ایسا حصہ ہیں جس سے دنیا کا کوئی بھی ذی شعور شخص انکار نہیں کر سکتا۔ اس لیے ان حقائق کی بنیاد پر جہاں یہ کہا جاتا ہے کہ اکیسویں صدی آسمانی تعلیمات کی طرف نسل انسانی کی واپسی کی صدی ہے، وہاں پورے اعتماد کے ساتھ یہ کہا جا سکتا ہے کہ آنے والی صدی اسلام کی طرف نسل انسانی کی واپسی کی صدی ہے اور اگلی صدی جسے آپ پندرہویں ہجری صدی کہہ لیں یا اکیسویں صدی کے نام سے یاد کر لیں، اسلام کے غلبہ اور عالمگیر نفاذ کی صدی ہے۔

مگر اس حوالہ سے علماء اسلام کا کردار کیا ہے؟ اس کے بارے میں دو گزارشات پیش کرنے کو جی چاہتا ہے۔ ایک یہ کہ انسانی اجتماعیت اور سوسائٹی کے مسائل کے ضمن میں قرآن وسنت کی راہ نمائی کے پہلوؤں سے ہم خود بے خبر ہیں تو نسل انسانی کی راہ نمائی کیا کریں گے؟ میں اپنے ماحول کی بات کر رہا ہوں اور مجھے اس گستاخی پر معاف فرمائیں کہ ہمارے علماء کرام کی ۹۸ فیصد اکثریت اسلام کے اجتماعی کردار اور اس کے تقاضوں سے بے خبر ہے اور انتہائے ستم یہ ہے کہ اپنی اس بے خبری سے بھی اسے آگاہی حاصل نہیں ہے۔ ہم دنیا بھر میں اسلام اسلام کا نعرہ لگا رہے ہیں، اسلام کے نفاذ کا مطالبہ کر رہے ہیں، کفر کو للکار رہے ہیں اور شریعت کا پرچم ہاتھ میں لیے معرکہ آرائی کے لیے تیار کھڑے ہیں مگر اسلام جب نافذ ہوگا تو کون سی چیز نافذ ہوگی، کہاں نافذ ہوگی اور کیسے نافذ ہوگی؟ اس کا ہمیں کچھ پتہ نہیں ہے اور ملک اور دنیا کے مروجہ نظام اور تہذیب واقتدار میں کہاں کہاں اور کون کون سی تبدیلی واقع ہوگی؟ اس سے بھی ہمیں کوئی سروکار نہیں۔ ہمیں بس اسلام چاہیے اور صرف اسلام چاہیے۔ اس کے علاوہ ہم کوئی بات نہیں جانتے۔ اس طرز عمل کے بارے میں ایک قصہ اکثر سنایا کرتا ہوں۔ آج بھی عرض کر دیتا ہوں۔ کہا جاتا ہے کہ ایک خان صاحب (کوئی پٹھان بھائی ناراض نہ ہوں میں خود بھی پٹھان ہوں) راستے میں جا رہے تھے کہ انہیں سامنے سے ایک ہندو لالہ آتا دکھائی دیا۔ خان صاحب ایک کافر کو دیکھ کر غصے میں آگئے۔ جی میں آیا کہ اس کو کلمہ پڑھانا چاہیے۔ اسے مسلمان کرنا چاہیے۔ ہندو قریب آیا تو خان صاحب نے اسے گریبان سے پکڑا اور ایک ہاتھ سے خنجر نکال کر اس کے سامنے لہراتے ہوئے کہا "کافر کا بچہ! کلمہ پڑھتے ہو یا نہیں؟" اس نے دیکھا کہ خان صاحب کے ہاتھ میں خنجر ہے اور آنکھوں میں خون اتر آیا ہے، وہ ڈر گیا اور کہا خان صاحب مجھے کلمہ پڑھاؤ، میں پڑھنے کے لیے تیار ہوں۔ اس پر خان صاحب پہلے سے زیادہ غضبناک لہجے میں بولے "کافر کا بچہ! خود کلمہ پڑھو، آتا مجھے بھی نہیں ہے۔"

اس وقت ہماری حالت بھی یہی ہے۔ ہم پوری دنیا سے کلمہ پڑھوانا چاہتے ہیں اور دنیا بھر میں اسلام کے نفاذ وغلبہ کے لیے مضطرب ہیں لیکن جب ہم سے پوچھا جاتا ہے کہ اچھا بتاؤ اسلام کیا ہے؟ اور اس کا اجتماعی نظام کیا ہے؟ تو ہمارے غیظ وغضب میں اضافہ ہو جاتا ہے اور "آتا مجھے بھی نہیں ہے" کی مجسم کیفیت کے ساتھ "اسلام اسلام" کا نعرہ پہلے سے زیادہ جوش وخروش کے ساتھ لگانا شروع کر دیتے ہیں۔ یہ طرز عمل درست نہیں ہے اور ہمیں اس پر نظر ثانی کرنی چاہیے۔

اسلام کی اجتماعی تعلیمات قرآن کریم میں جا بجا موجود ہیں۔ حدیث اور فقہ کی کم وبیش سبھی کتابوں میں اجتماعی زندگی کے ہر شعبہ سے متعلق الگ الگ ابواب موجود ہیں جن میں اس شعبہ زندگی کے بارے میں اسلامی تعلیمات پیش کی گئی ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ انہیں پڑھا جائے، سمجھا جائے اور ان کا مطالعہ کر کے انہی شعبہ ہائے زندگی کے بارے میں آج کے مروجہ قوانین وروایات سے ان کا تقابل کیا جائے۔ ان میں پائے جانے والے فرق اور تضادات کی نشاندہی کی جائے اور اسلامی تعلیمات واحکام کی افادیت اور فوقیت کو واضح کیا جائے۔ یہ کام علماء کرام کے کرنے کا ہے اور وہی اسے صحیح طور پر سرانجام دے سکتے ہیں۔ اگر وہ یہ کام نہیں کریں گے تو دوسرے لوگ آگے آئیں گے۔ خلا تو نہیں رہے گا، یہ فطرت کے خلاف ہے، تاریخ کے عمل کے خلاف ہے اور جب دوسرے لوگ آگے آکر اس خلا کو پر کرنے کی کوشش کریں گے تو اس سے مسائل پیدا ہوں گے اور خود علماء کرام کو شکایات ہوں گی اس لیے صحیح راستہ یہی ہے کہ دوسروں کے شکوے کرنے کی بجائے علماء کرام خود اس کام کو سنبھالیں اور کوئی ایسا خلا ہی نہ رہنے دیں جسے پر کرنے کے لیے دوسروں کو آگے آنے کا موقع مل سکے۔ دوسری بات اس ضمن میں علماء اسلام سے یہ

عرض کرنا چاہتا ہوں کہ آج کی دنیا کو اسلام سمجھانے کے لیے اپنی روایتی زبان استعمال نہ کریں۔ ہماری روایتی زبان مناظرہ، فتویٰ اور حکم کی زبان ہے جو آج کے دور میں متروک ہو چکی ہے۔ وہ کار آمد نہیں ہے بلکہ نقصان دہ ہے۔ آج کی زبان منطق واستدلال کی زبان ہے۔ حکمت وفلسفہ کی زبان ہے اور وہ زبان ہے جو لوگوں کو اسلام سمجھانے کے لیے امام غزالیؒ اور امام ولی اللہ دہلویؒ نے استعمال کی ہے۔ دو برس پہلے کی بات ہے کہ ہم نے لندن میں "ورلڈ اسلامک فورم" کے زیر اہتمام میڈیا پر ایک سیمینار کا اہتمام کیا۔ اس میں مہمان خصوصی ایک نو مسلم نوجوان دانش ور یحییٰ برٹ تھے۔ وہ ایک اونچے درجے کے انگریز خاندان سے تعلق رکھتے ہیں ان کے والد بی بی سی کے ڈائریکٹر جنرل رہے ہیں اور والدہ "انڈی پینڈینٹ" کی ایڈیٹر ہیں۔ اس نوجوان نے آٹھ دس برس قبل اسلام قبول کیا اور جیسا کہ ان لوگوں کا مزاج ہے، اس نے اسلام کو سمجھنے کے لیے خوب مطالعہ کیا۔ مختلف اسلامی تحریکات پر اسٹڈی کی حتیٰ کہ برصغیر پاک وہند میں کئی ماہ رہ کر یہاں کی اسلامی تحریکات کا مطالعہ کیا۔ اس نے مذکورہ سیمینار میں گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ اگر آپ مغرب کو اسلام کی دعوت دینا چاہتے ہیں اور اس خطہ کے لوگوں کو اسلام سمجھانا چاہتے ہیں تو شاہ ولی اللہ کی زبان سے بات کریں۔ یہ صرف اسی زبان میں اسلام کو سمجھ سکیں گے۔ اگر اس کے علاوہ کسی اور زبان سے ان سے بات کی گئی تو یہ بات کو نہیں سمجھ پائیں گے۔ شاہ ولی اللہ کی زبان کیا ہے؟ حکمت ودانش کی زبان، منطق واستدلال کی زبان ہے اور کوئی بات دوسروں پر زبردستی ٹھونسنے کی بجائے انہیں سمجھا کر قائل کرنے کی زبان ہے۔ آج اسی زبان کی ضرورت ہے اور ہمارے علماء کو یہ زبان سیکھنی چاہیے اور اس پر عبور حاصل کرنا چاہیے۔ میں یہ بات ایک مثال سے واضح کرنا چاہوں گا۔ وہ یہ کہ ہم لاکھ مرتبہ یہ کہیں کہ انسانی معاشرہ میں جرائم پر قابو صرف اسلامی نظام وقوانین کے ذریعہ ہی پایا جا سکتا ہے مگر کسی شخص کو ہماری یہ بات سمجھ میں نہیں آئے گی اور اسے صرف اسلام کے ساتھ محبت وعقیدت کا اظہار سمجھا جائے گا لیکن اسی بات کو اگر اس انداز سے پیش کیا جائے کہ انسانی اعمال کی سزا وجزا کے حوالہ سے اسلام کا فلسفہ ہی وہ واحد داخلی قوت ہے جو کسی انسان کو جرم سے روک سکتی ہے تو لوگوں کو یہ بات سمجھانا آسان ہو جائے گا۔ مثلاً یہودیوں کا عقیدہ یہ ہے کہ وہ انبیاء کرام علیہم السلام کی اولاد ہیں اور انسانی سوسائٹی میں وی آئی پی طبقہ کی حیثیت رکھتے ہیں اس لیے جہنم اور سزا کا معاملہ ان کے لیے نہیں ہے اور وہ بڑی نسبت کی وجہ سے ہر برے سے برے عمل کی سزا سے بچ جائیں گے۔ ظاہر بات ہے کہ یہ عقیدہ کسی بھی شخص کو "جرم" کی سزا کے بارے میں بے خوف کر دے گا اور وہ بے تکلف ہر جرم کر گزرے گا جبکہ عیسائیوں کا عقیدہ یہ ہے کہ انسان پیدائشی گنہ گار ہے اس لیے وہ گناہ سے پاک ہو ہی نہیں سکتا۔ البتہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نسل انسانی کے گناہوں کا کفارہ دے گئے ہیں۔ اس لیے جو شخص صلیب کے سائے میں آجائے گا وہ اس کفارہ کے دائرے میں شامل ہوگا اور گناہوں سے پاک ہو جائے گا اور جو شخص اپنے گلے میں صلیب نہیں لٹکائے گا، وہ گنہ گار پیدا ہوا اور گنہ گار مرجائے گا۔ اس کی نجات کی کوئی صورت ممکن نہیں ہے۔ یہ عقیدہ بھی "جرم" کی حوصلہ افزائی کرنے والا ہے کہ جب ایک شخص کا یہ ذہن بن جائے گا کہ وہ جو عمل بھی کرے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس کی طرف سے کفارہ دے گئے ہیں تو وہ کسی تکلف کے بغیر بڑے سے بڑے جرم کا مرتکب ہوگا اور صلیب گلے میں لٹکا کر مطمئن ہو جائے گا کہ اس کے گناہوں کا کفارہ صدیوں پہلے دیا جا چکا ہے۔ اسی طرح خدا کو نہ ماننے والوں اور مذہب پر یقین نہ رکھنے والوں کا عقیدہ یہ ہے کہ مرنے کے بعد زندگی کا کوئی تصور نہیں ہے اور یہی دنیا سب کچھ ہے۔ انسان کو جو اچھائی یا برائی حاصل کرنی ہے اسی دنیا میں کرنی ہے، یہ "فلسفہ" بھی جرم کی آبیاری کرتا ہے کیونکہ جب ذہن یہ بن جائے گا کہ مجھے آرام، سہولت اور عیش جو کچھ بھی حاصل کرنا ہے اسی دنیا میں اس کا موقع ہے اس کے بعد کوئی موقع نہیں ملے گا تو ظاہر بات ہے کہ وہ ان چیزوں کے حصول کے لیے وہ جو کچھ اس کے بس میں ہوگا، اس سے گریز نہیں کرے گا۔ اس کے بعد برعکس اسلام کا عقیدہ یہ ہے کہ انسان سلیم الفطرت پیدا ہوتا ہے۔ کوئی انسان پیدائشی کافر یا گنہگار نہیں ہے اور ہر شخص کو اپنے ہر عمل کا بدلہ خود بھگتنا ہوگا۔ اچھے اعمال کا صلہ ملے گا اور برے اعمال پر سزا ہوگی۔ یہ سزا اس دنیا میں بھی ہو سکتی ہے اور اگر یہاں بچ گیا تو آخرت میں سزا مل کر رہے گی اور اسے اپنے تمام اچھے برے اعمال کا اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حساب دینا ہے اس کے بعد اس کی اگلی ہمیشہ کی زندگی کا فیصلہ ہوگا، یہی وہ واحد عقیدہ ہے جو انسان کو جرم سے روکتا اور اس کے دل ودماغ میں بیٹھ کر اس کے اعمال کے حوالہ سے محتسب کا کردار ادا کرتا ہے اس لیے اس دنیا میں بھی اگر انسانی سوسائٹی کو جرائم سے نجات مل سکتی ہے تو صرف اور صرف اسلامی نظام کے ذریعہ مل سکتی ہے۔

الغرض! علماء اسلام سے میری گزارش یہ ہے کہ وہ اکیسویں صدی کے اس چیلنج کو سمجھیں، اس کے تقاضوں کا ادراک حاصل کریں اور اسلام کے اجتماعی کردار اور اسلامی نظام کی افادیت وحکمت کے بارے میں امام ولی اللہ دہلویؒ کی تعلیمات کی روشنی میں مطالعہ وتحقیق کر کے دنیا کے تمام لوگوں تک اسلام کے پیغام پہنچانے کا اہتمام کریں۔ یہی اکیسویں صدی کی سب سے بڑی ضرورت ہے اور یہی اس حوالہ سے علماء اسلام کی سب سے اہم ذمہ داری ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس حوالہ سے اپنے فرائض صحیح طور پر سرانجام دینے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین

شیخ الحدیث مولانا محمد سرفراز خان صفدر

محدثینؒ کا حافظہ اور اس کا امتحان

حضرات محدثین کرامؒ کے صرف یہ دعاوی نہ تھے کہ ہمیں اتنی اور اتنی حدیثیں یاد ہیں بلکہ وقتاً فوقتاً ان کے امتحانات بھی لیے جاتے تھے اور وہ ان میں کامیاب ثابت ہوتے تھے۔ مامون الرشید، امام عبد اللہ بن المبارکؒ، امام ترمذیؒ اور امام بخاریؒ وغیرہ حضرات کے امتحانات ہوئے اور وہ سو فیصد ان میں کامیاب نکلے۔ حضرت ابو ہریرہؓ (جن کا نام عبد الرحمٰن بن صخر تھا۔ احکام الاحکام ج ۱ ص ۴ المتوفی ۵۷ھ اور جن سے پانچ ہزار تین سو چوہتر حدیثیں مروی ہیں۔ خطبات مدراس ص ۴۵) کے بارے میں ابو زعزعہؒ کا بیان ہے (جو دمشق کی حکومت کے پہلے حکمران مروان بن الحکم کا پرائیویٹ سیکرٹری تھا) کہ مروان نے حضرت ابو ہریرہؓ کو (لوگوں کی اس شکایت پر کہ وہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں بہت کم رہے کیونکہ وہ محرم ۷ھ میں فتح خیبر کے بعد مسلمان ہوئے لیکن حدیثیں سب سے زیادہ بیان کرتے ہیں) حکمت عملی کے ساتھ امتحان کے لیے طلب کیا۔ ابو زعزعہؒ کہتے ہیں کہ مجھے قلم دوات اور کاپی دے کر پس پردہ بٹھا دیا اور کہا کہ میں حضرت ابو ہریرہؓ سے امتحاناً" چھیڑ چھاڑ کر حدیثیں پوچھوں گا۔ وہ جو حدیث بیان کریں، تم اسے لکھ لینا۔ چنانچہ مروان نے بہت سی حدیثیں حضرت ابو ہریرہؓ سے پوچھیں۔ ابو زعزعہؒ ان کو لکھتے رہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ مروان کی یہ حکمت عملی نہ سمجھ سکے۔ پورا ایک سال گزر گیا۔ مروان نے حضرت ابو ہریرہؓ کو پھر طلب کیا اور مجھے کہا کہ تم حسب سابق پردہ کے پیچھے بیٹھ جاؤ۔ میں حضرت ابو ہریرہؓ سے گزشتہ سال والی حدیثیں پوچھتا جاؤں گا تو تم ان کو نوشتہ احادیث سے ملاتے جانا چنانچہ مروان نے اس تدبیر سے حضرت ابو ہریرہؓ کا امتحان لیا۔ ابو زعزعہؒ کا بیان ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے جاتے اور میں بیاض اور کاپی میں لکھی ہوئی احادیث سے ان کو ملاتا جاتا۔ معلوم ہوا کہ نہ تو انہوں نے کمی کی اور نہ زیادتی اور نہ تو کسی حدیث میں تقدیم کی اور نہ تاخیر (کتاب الکنیٰ للبخاری ص ۳۳۔ کتاب الکنیٰ للدولابی ج ۱ ص ۱۸۳ ومستدرک ج ۳ ص ۵۱۰ قال الحاکم والذہبی صحیح) امام ابن شہاب الزہریؒ خلیفہ وقت ہشام (المتوفی ۱۲۵ھ) نے ان کا یوں امتحان لیا کہ حضرت آپ کچھ حدیثیں شاہزادہ کے لیے لکھوا دیں۔ امام زہریؒ نے چار سو حدیثیں زبانی لکھوا دیں۔ ایک مہینہ کے بعد ہشام نے پھر طلب کیا اور کہا کہ افسوس کہ جو حدیثیں آپ نے لکھوائی تھیں، وہ کہیں ضائع ہو گئی ہیں۔ آپ اگر وہ حدیثیں پھر لکھوا دیں تو آپ کی نوازش ہو گی۔ چنانچہ امام زہریؒ نے وہ سب حدیثیں پھر لکھوا دیں اور تشریف لے گئے۔ پہلا مسودہ بھی ضائع نہیں ہوا تھا بلکہ اس طرح امام زہری کا امتحان مقصود تھا۔ جب ہشام نے دونوں مسودوں کو آپس میں ملایا تو معلوم ہوا کہ ایک حرف کا فرق بھی نہیں نکلا (تذکرہ ج ۱ ص ۱۰۳۔ البدایہ والنہایہ ج ۹ ص ۳۴۲۔ تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۴۴۹) امام محمد بن یحییٰ الذہلی (المتوفی ۲۵۷ھ) کی خدمت میں مشہور محدث صالح بن محمد الجزرہؒ حاضر ہوئے اور امتحاناً ایک حدیث سند کے ساتھ پیش کی۔ سند میں اصل راوی سعید بن واصل تھا مگر محدث صالح نے سعید بن عامر پڑھا۔ امام ذہلی نے فوراً ٹوک دیا اور اصلاح کر دی۔ امام صالح نے آخر میں تسلیم کیا کہ میں نے امتحاناً ایسا کیا تھا۔ (بغدادی ج ۳ ص ۱۴۷) کتب تاریخ میں حضرت امام بخاریؒ کے حالات میں لکھا ہے کہ جب وہ بغداد پہنچے تو وہاں کے حضرات محدثین کرام نے امام موصوف کا امتحان لینا چاہا چنانچہ دس آدمی امتحان کے لیے مقرر ہوئے اور ہر ایک نے دس دس حدیثیں متن اور سند بدل بدل کر اور تقدیم و تاخیر کر کے حضرت امام بخاری کے سامنے پیش کرنا شروع کر دیں۔ بخاریؒ صرف یہ کہتے جاتے لا اعرفہ کہ میں یہ نہیں جانتا۔ سطحی ذہن کے لوگ امام بخاری کے حافظہ سے بدظنی کرنے لگے۔ جب پورے سو سوال امام بخاری سے پوچھ لیے گئے تو امام موصوف نے علی الترتیب جوابات شروع کیے اور سو احادیث کو درست کر دیا۔ ہر حدیث کے متن کو اس کی سند کے ساتھ اور ہر سند کو اس کے مخصوص متن کے ساتھ جوڑ دیا۔ فہیم قسم کے لوگوں کو پہلے ہی امام بخاری کے حافظہ اور ذہانت کا اقرار تھا لیکن ع شنیدہ کے بود مانند دیدہ۔ اب تو ان کو ان کی اس خوبی اور کمال کا مشاہدہ بھی ہو گیا۔ (اکمال ص ۲۶۳ ومقدمہ ابن خلدون ص ۴۴۴ وبغدادی ج ۲ ص ۲۰ وطبقات سبکی ج ۲ ص ۶ و نخبۃ الفکر ص ۷۸) ان کے اسی کمال کی وجہ سے مشہور محدث عمرو بن علیؒ نے کہا ہے کہ جس حدیث کو امام بخاری نہ جانتے ہوں تو وہ حدیث ہی نہیں (بغدادی ج ص ۱۸) حضرت امام بخاری کے اس قول سے کہ لا اعرفہ (میں اس کو نہیں جانتا) کذب گوئی اور غلط بیانی کا شبہ نہ ہونا چاہیے کیونکہ امام بخاری کا مقصد یہ تھا کہ معترضین نے جو غلط صورت پیش کی ہے، میں اسے نہیں جانتا اور وہ غلط صورت امام بخاری کو اس سے قبل معلوم نہ تھی۔ امام موصوف تو وہ صحیح صورت جانتے تھے جو نفس الامر میں تھی اور اپنے جواب میں انہوں نے جس کی تصحیح کر کے بیان بھی کر دی تھی۔

حضرت مولانا صوفی عبد الحمید سواتی

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی عظیم قربانی

نبی کے خواب اور عام لوگوں کے خواب میں فرق ہوتا ہے۔ عام لوگوں کے خواب تین اقسام کے ہوتے ہیں یعنی رحمانی، شیطانی اور نفسانی۔ رحمانی خواب مومن کے حق میں بشارت ہوتی ہے۔ شیطانی خواب شیطان کے اثر سے ہوتے ہیں اور نفسانی خواب وہ ہوتے ہیں جو انسانی خوراک کے اثرات پر مرتب ہوتے ہیں مگر نبیوں کا خواب وحی ہی کی ایک قسم ہے کیونکہ بعض اوقات اللہ تعالیٰ کوئی حکم خواب کے ذریعے بھی دے دیتا ہے۔ بخاری شریف کی روایت میں ہے کہ نبوت ملنے سے چھ ماہ قبل تک جو خواب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو آتے تھے، وہ سچے ہوتے تھے اور ان کا نتیجہ روز روشن کی طرح سامنے آجاتا تھا۔ پھر اس کے بعد نزول وحی شروع ہوگیا۔ قرآن پاک میں حضرت یوسف علیہ السلام کے خواب کا ذکر بھی آتا ہے۔ اس کی تعبیر اگرچہ طویل عرصہ کے بعد جاکر نکلی مگر وہ حرف بحرف صحیح تھا۔ اسی طرح حضور علیہ السلام نے بھی خواب دیکھا تھا کہ آپ طواف کر رہے ہیں۔ آپ کا خیال تھا کہ شاید اسی سال یہ خواب پورا ہوگا۔ اور آپ عمرہ کی سعادت حاصل کریں گے مگر اس سال آپ بغیر عمرہ ادا کیے مقام حدیبیہ سے واپس آگئے اور اگلے سال جاکر عمرہ ادا کیا۔ اس طرح لقد صدق اللہ رسولہ الرویا بالحق (الفتح ۲۷) اللہ نے اپنے رسول کا خواب سچا کر دیا۔

بہرحال حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بار بار یہ خواب آرہا تھا کہ وہ خواب میں اپنے بیٹے اسماعیلؑ کو ذبح کر رہے ہیں۔ آپ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو بتلا کر ان کی رائے لی تو سعادت مند بیٹے نے جواب دیا یا ابت افعل ما تومر اے باپ جس کام کا آپ کو حکم دیا جا رہا ہے، اسے کر گزرو یعنی اللہ کے حضور میری قربانی پیش کر دو۔ جہاں تک میری ذات کا تعلق ہے، میں حکم خداوندی کی تعمیل میں کوئی پس وپیش نہیں کروں گا بلکہ ستجدنی ان شاء اللہ من الصابرین ان شاء اللہ آپ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے۔ میں حکم خداوندی کے سامنے سر تسلیم خم کرتا ہوں۔ آپ میری گردن پر چھری چلا دیں۔ یہی وہ بردباری ہے جو اللہ تعالیٰ نے اسماعیل علیہ السلام کے مزاج میں رکھ دی تھی۔ اللہ نے آپ کو نبوت ورسالت کے منصب پر فائز کیا تھا، چنانچہ آپ کی تربیت بچپن سے کمال درجے کی ہو رہی تھی۔ بہرحال آپ نے اپنے آپ کو قربانی کے لیے پیش کر دیا۔

فلما اسلما پھر جب دونوں باپ بیٹا مطیع ہو گئے یعنی ان میں حکم خداوندی کی تعمیل کا جذبہ حد درجہ بیدار ہوگیا وتلہ للجبین اور ابراہیم علیہ السلام نے اسماعیل علیہ السلام کو پیشانی کے بل گرا دیا تاکہ آپ کی گردن پر چھری چلا دیں۔ پیشانی کے بل لٹانے کا یہ مطلب ہے کہ بیٹے کا خوبصورت چہرہ دیکھ کر باپ کے دل میں کہیں جذبہ ترحم نہ پیدا ہو جائے اور حکم الٰہی کی تعمیل میں فرق نہ آجائے۔ بہرحال جب باپ نے بیٹے کو لٹا لیا تو پھر گردن پر تیز چھری بھی چلا دی مگر ابراہیم علیہ السلام یہ دیکھ کر پریشان ہو گئے کہ چھری اپنا کام ہی نہیں کر رہی تھی۔ ادھر سے آواز آئی ونادینہ ان یا ابراھیم اللہ نے فرمایا، ہم نے آواز دی اے ابراہیم! قد صدقت الرؤیا تو نے خواب کو سچا کر دکھایا۔ آپ اس آزمائش میں پورے اترے۔ انا کذالک نجزی المحسنین ہم نیکی کرنے والوں کو اسی طرح بدلہ دیتے ہیں۔ ابراہیم علیہ السلام نے تو تعمیل حکم کرتے ہوئے بیٹے کے گلے پر چھری چلا دی مگر اللہ تعالیٰ کو اسماعیل علیہ السلام کی جان بچانا مقصود تھی، لہٰذا اس نے باپ کو اس کا بیٹا صحیح سلامت لوٹا دیا۔

اللہ نے فرمایا ان ھذا لھو البلاء المبین یہ ایک صریح آزمائش تھی جو ابراہیم علیہ السلام پر ڈالی گئی جس میں آپ پورے اترے۔ اور پھر اللہ نے یہ احسان بھی فرمایا کہ اسماعیل علیہ السلام کا فدیہ بھی دے دیا۔ فرمایا وفدینہ بذبح عظیم اور ہم نے اسے ایک عظیم جانور کے ذبح کرنے کا فدیہ دیا۔ یہ عظیم جانور ایک مینڈھا تھا جو اللہ نے جنت سے نازل فرمایا اور ابراہیم علیہ السلام کی چھری اسماعیل علیہ السلام کے بجائے اس مینڈھے کی گردن پر چل گئی، وہ ذبح ہوگیا اور اسماعیل علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے بچا لیا۔ گویا مینڈھا آپ کا فدیہ بن گیا۔

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ ذبح عظیم سے مراد صرف جانور کی قربانی نہیں اگرچہ وہ بہشت سے نازل شدہ عظیم جانور تھا بلکہ اس سے یہ اشارہ بھی ملتا ہے کہ ہم نے قربانی کا ایک بہت بڑا اصول قائم کر دیا ہے جو تاقیامت جاری رہے گا۔ دراصل جذبہ ایمان واطاعت تو وہی تھا جو بیٹے کی قربانی کے لیے موجزن تھا مگر اللہ نے جان کے بدلے کے طور پر اسے جانور میں منتقل کر دیا لہٰذا انہی جذبات کے تحت آئندہ کے لیے جانور انسانی جان کا فدیہ ہوگا۔ یہ دستور تاقیامت زندہ رہے گا اور اہل ایمان ہر سال جانوروں کی قربانی کرتے رہیں گے۔

مولانا محمد عیسیٰ منصوری، لندن

مغرب میں اسلام کا مستقبل

مغرب میں اسلام کا مستقبل۔ یہ وہ سوال ہے جو اس وقت مشرق و مغرب کے علمی حلقوں میں بڑے شد و مد سے اٹھایا جا رہا ہے۔ یہ موضوع اس وقت سے سنجیدہ و مربوط موضوع کی شکل اختیار کر گیا ہے جب سے ہارورڈ یونیورسٹی کے یہودی پروفیسر سموئل ہنٹنگٹن نے ۱۹۹۳ء میں تہذیبوں کے مابین تصادم (Clash of Civilization) کا نظریہ پیش کر کے پیشین گوئی کی کہ مستقبل میں مغرب اور اقوام عالم کے درمیان کشمکش نہ تو معاشی ہوگی نہ سیاسی بلکہ تہذیبی ہوگی۔ اس ضمن میں انہوں نے اسلام کو مغرب کے مقابلے میں ایک متصادم تہذیب کے طور پر پیش کیا۔ دوسرے الفاظ میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ مستقبل میں ویسٹرن سولائزیشن کے لیے اسلام کا خطرہ دکھا کر اسلام کے خلاف محاذ آرائی کے لیے دعوت فکر دی۔ مغربی حلقوں میں مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی آبادی بھی وجہ فکر بنی ہوئی ہے۔ مسلمان امریکہ میں دوسری بڑی اکثریت بن چکے ہیں اور یورپ میں ان کی آبادی ۲۵ ملین کے قریب پہنچ رہی ہے۔ آج یورپ (ای ای سی) کے کئی ملکوں میں اسلام کو دوسرا بڑا مذہب تسلیم کیا جا چکا ہے۔

حقیقت میں موجودہ دور فکر و نظریہ کا دور ہے۔ اس وقت اقوام عالم کے درمیان عسکری کی بجائے فکری و نظریاتی تصادم برپا ہے۔ کیمونزم کی ناکامی کے بعد مغربی دنیا سمجھنے لگی ہے کہ اب دنیا کے لیے مغربی نظریہ فکر اور نظام زندگی اپنانے کے سوا کوئی چارہ نہیں جبکہ اسلام ایک مکمل نظریہ فکر رکھتا ہے۔ جس میں آج بھی اتنی افادیت و کشش ہے کہ دنیا کے تمام نظریات و افکار پر حاوی و غالب آجائے۔ اسلام کی پوری تاریخ ثابت کرتی ہے کہ اسلام کی دعوت ہی اسلام کی سب سے بڑی طاقت ہے۔ اسلام عین فطرت انسانی کے مطابق ہے اگر وہ اپنی اصلی صورت میں کسی انسان کے سامنے لایا جائے تو وہ سیدھا آدمی کے دل میں اتر جاتا ہے۔ وہ آدمی کو مجبور کرتا ہے کہ وہ اس کی صداقت کا اعتراف کرے۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلام اپنی ذات میں ایک تسخیری طاقت رکھتا ہے۔ وہ لوگوں کو متاثر ہونے پر مجبور کرتا ہے۔ اب تک نظریہ کو کاٹنے والی تلوار وجود میں نہیں آسکی۔ اسلام کے نظریہ فکر کی تلوار کبھی کند نہیں ہوتی۔

اس نے ہر دور میں قطع نظر اس کے کہ وہ دور سیاسی و عسکری اعتبار سے مسلمانوں کے غلبہ کا دور تھا یا مغلوبیت کا اپنی شاندار فتوحات برابر جاری رکھی۔ زمانہ کی موجودہ تبدیلی عسکری محاذ سے فکری محاذ کی طرف عین اسلام کے مطابق ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مغرب اسلام کے نظریہ کی طاقت سے خوفزدہ ہے۔ وہ مغرب میں اسلام کو اپنی فکر و دعوت پیش کرنے کا موقع دیے بغیر پروپیگنڈہ اور میڈیا کے زور پر ختم کر دینا چاہتا ہے۔ آیئے تاریخی اعتبار سے اس صورتحال کا جائزہ لیں کہ اسلام کے نظریہ و فکر نے کس طرح ہر دور میں اپنی طاقت منوائی۔

اسلام کے غلبہ کی پیشین گوئی

ھوالذی ارسل رسوله بالھدیٰ ودین الحق لیظھره علی الدین کله ولو کره المشرکون "اللہ وہ ہے جس نے اپنے رسولؐ کو ہدایت و دین حق کے ساتھ بھیجا تا کہ وہ اسے سارے ادیان پر غالب کر دے اگرچہ مشرک اسے برا مانیں۔" یہاں دین کے غلبہ سے مراد سیاسی و عسکری غلبہ نہیں بلکہ فکری و نظریاتی غلبہ ہے جو اسلام کو ہمیشہ اور ہر جگہ حاصل رہا ہے اور کبھی منقطع نہیں ہوا۔ اس کے خلاف سیاسی غلبہ کبھی حاصل ہوا کبھی نہیں ہوا۔ خالق کائنات نے اپنے آخری پیغام (اسلام) کو مکمل کر دیا جب کسی فکر و نظریہ کو یہ سب حاصل ہو جائے تو اس کی طاقت بے پناہ ہو جاتی ہے اور پھر اس کو کوئی زیر نہیں کر سکتا۔

فکر و نظریہ کی حکمت کی خاطر عسکری پسپائی

آنحضرت ﷺ نے اسلام کی دعوت و فکر کے لیے افہام و تفہیم کی فضا پیدا کرنے کی خاطر کفار مکہ کی یک طرفہ شرائط منظور فرمالیں۔ اسلام کی دعوت کے مرحلہ میں ایسا بھی ہوا کہ دعوت کی حکمت کے پیش نظر آپ نے بظاہر عسکری میدان میں پسپائی اختیار کی تا کہ مکمل نظریاتی غلبہ و فتح یابی حاصل ہو سکے۔ جیسے حدیبیہ میں ہوا۔ ۶ھ میں آپ کو عمرہ کی نیت سے ڈیڑھ ہزار صحابہ کو لے کر بیت اللہ کے بالکل قریب پہنچ کر بغیر عمرہ کیے لوٹنا پڑا۔ حدیبیہ میں کفار سے جو صلح نامہ ہوا اس کی شرائط یک طرفہ کفار مکہ کے حق میں اور مسلمانوں کے خلاف تھیں۔ بظاہر مسلمانوں کے لیے ناقابل برداشت اور انہیں اشتعال دلانے والی تھیں۔ اس صلح سے آپؐ کا مقصد اسلام کے لیے افہام و تفہیم کے ذریعے معتدل ماحول و فضا پیدا کرنا تھا۔ اہل مکہ مسلمانوں کو مشتعل کر کے اپنے موافق میدان یعنی عسکری میدان میں لانا چاہتے تھے۔ جس میں قریش کو مسلمانوں پر واضح برتری حاصل تھی۔ آنحضرت ﷺ نے ان کے منصوبے کو کامیاب نہیں ہونے دیا۔ آپؐ حکمت عملی سے ان کو ایسے میدان میں لے آئے جہاں مسلمانوں کو مکمل طور پر برتری و بالادستی حاصل تھی یعنی فکری و نظریاتی میدان میں تا کہ اہل مکہ کے ساتھ جنگ کا ماحول ختم ہو اور انہیں ٹھنڈے دل سے اسلام کی دعوت و فکر پر غور کرنے کا موقع ملے۔ نیز آپ کو بھی دیگر عرب

قبائل اور سلاطین عالم کو اپنی دعوت پہنچانے کا موقع مل سکے۔ قرآن کریم نے آپؐ کی اس حکمت عملی کو فتح مبین قرار دیا۔ بعد کے واقعات نے اس پر مہر تصدیق ثبت کر دی۔ حدیبیہ کی صلح سے پہلے بیس سال میں جس قدر لوگ مسلمان ہوتے تھے اس صلح کے بعد اس سے کہیں زیادہ لوگ دو سال میں اسلام میں داخل ہوئے۔ اور حالات میں آپؐ کے حق میں ایسی زبردست تبدیلی پیدا ہوئی کہ قریش جنہوں نے ۶ھ میں مسلمانوں کو عمرہ ادا کرنے کی اجازت نہیں دی صرف دو سال بعد ۸ ہجری آنحضرت ﷺ دس ہزار مسلمانوں کے ساتھ فاتحانہ طور پر مکہ مکرمہ میں داخل ہوگئے۔ اگرچہ حدیبیہ کا واقعہ بظاہر عسکری محاذ پر پسپائی کا واقعہ ہے مگر دعوت و فکر کے محاذ پر زبردست اقدام و فتح یابی کا سنگ میل ہے۔ ایک صحابی حضرت براءؓ فرماتے ہیں جب تم فتح مکہ کو فتح سمجھتے ہو اور ہم فتح حدیبیہ کو سمجھتے ہیں۔ آج تاریخ پھر اپنے آپ کو دہرا رہی ہے۔ مغربی میڈیا مسلمانوں کو مشتعل کرنے میں لگا ہوا ہے تاکہ مسلمان رد عمل کا شکار ہو جائیں۔ ہمارے لیے صلح حدیبیہ ایک سبق اور نشان راہ ہے کہ اسلام کی دعوت پیش کرنے والے جب بھی مخاطب کی اشتعال انگیزیوں کو نظر انداز کر کے صبر و استقامت کے ساتھ اسلام کی دعوت و فکر کو پیش کریں گے تو انجام وہی نکلے گا جو ۶ ہجری میں نکلا تھا۔ کیونکہ مغرب بھی اہل مکہ کی طرح فکر و نظر کے میدان میں تہی دامن ہے۔ آیئے اس حوالے سے تاریخ کی چند مثالوں پر نظر ڈالیں۔

مسلمانوں کی سیاسی طاقت ٹوٹنے کے باوجود فکری محاذ پر شاندار کامیابیاں

تیرہویں صدی عیسوی کی ابتداء میں منگول تاتاریوں نے عالم اسلام پر مکمل غلبہ حاصل کیا۔ انہوں نے سمرقند سے بغداد تک پوری مسلم دنیا کو تہس نہس کر دیا۔ ان کا غلبہ اتنا شدید اور ہمہ گیر تھا کہ کہا جانے لگا اذا قیل لک ان التتر انهزموا فلا تصدق "اگر تم سے کہا جائے کہ تاتاری شکست کھا گئے تو اس کو نہ ماننا۔" ان حالات میں چند بے وسائل درویشوں نے اسلام کی دعوت فکر پیش کرنے کا خاموش و پرامن کام کیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے ایک نیا انقلاب برپا ہوا اور اس صدی کے اختتام سے پہلے تاریخ اسلام کی فکری طاقت سے مغلوب ہو کر حلقہ بگوش اسلام ہوگئے۔ پروفیسر ہٹی کے الفاظ میں "مسلمانوں کے مذہب نے وہاں کامیابی حاصل کر لی جہاں ان کے ہتھیار ناکام ہو چکے تھے۔" انہی تاتاریوں کی اولاد نے اس عظیم عثمانی خلافت کی بنیاد رکھی جس نے پانچ سو سال تک اسلام کو دنیا میں عسکری طور پر بھی سپر پاور بنائے رکھا۔ بیسویں صدی کے اوائل تک آدھا یورپ ان کے زیر نگین تھا اور باب عالی (سلطنت ترکیہ) کی مرضی کے بغیر یورپ میں کوئی اہم فیصلہ نہیں ہو سکتا تھا۔ انہی تاتاری نسل کی ایک دوسری شاخ (مغلوں) نے ہندوستان میں صدیوں تک حکومت کی۔ پروفیسر ڈبلیو آرنلڈ اپنی کتاب "پریچنگ آف اسلام" میں لکھتے ہیں "اپنے سیاسی زوال کے زمانے میں اسلام نے بعض انتہائی شاندار روحانی فتوحات حاصل کیں۔ دو بڑے تاریخی مواقع پر وحشی کافروں نے اپنے پاؤں محمدؐ کے پیروؤں کی گردن پر رکھ دیے تھے۔ گیارہویں صدی عیسوی میں سلجوقی ترکوں نے اور تیرہویں صدی عیسوی میں مغل ترکوں نے۔ مگر عجیب بات ہے کہ ہر بار فاتح نے اپنے مفتوح کے مذہب کو قبول کیا۔" یعنی اسلام کے نظریہ و فکر کی طاقت نے ان قوموں کو فتح کر لیا جنہوں نے عسکری میدان میں مسلمانوں کو شکست دی تھی۔ آج دنیا میں کچھ ایسی ہی صورت حال ہے۔ ایک میدان سیاست و عسکریت کا ہے جہاں مغرب کو عالم اسلام پر مکمل بالادستی ہے' دوسرا میدان نظریہ و فکر کا ہے جہاں اسلام کو کامل غلبہ و اجارہ داری حاصل ہے۔ مغرب مسلمانوں سے اس میدان میں لڑنا چاہتا ہے جہاں اسے بالادستی حاصل ہے۔ ہمیں چاہیے کہ ہم حکمت عملی اختیار کر کے اسے اس میدان میں لے آئیں جہاں وہ ناموافق پوزیشن میں ہو۔ اور ہم موافق پوزیشن میں ہوں۔ یعنی نظریہ و فکر کے میدان میں۔ تاریخ کے اوراق پلٹیں اس وقت انڈونیشیا آبادی کے اعتبار سے سب سے بڑا مسلم ملک ہے۔ اس ملک میں مسلمانوں کی کثرت کا سب سے حیرت انگیز پہلو یہ ہے کہ وہاں مسلمانوں نے کبھی بھی فوجی اقدام نہیں کیا۔ اس خطہ میں مسلمانوں نے تیرہویں صدی عیسوی میں اپنے قدم جمائے۔ یہی وہ صدی ہے جس میں مسلمانوں کی سیاسی طاقت پر زوال آیا۔ ایک طرف اسپین سے مسلمانوں کو ختم کیا گیا دوسری طرف تاتاریوں نے پانچ سو سالہ عظیم الشان عباسی سلطنت کو پارہ پارہ کر دیا۔ اس وقت اگرچہ مسلمانوں کی عسکری و سیاسی طاقت ٹوٹ چکی تھی مگر مسلمانوں کی روحانی و فکری فتوحات بغیر کسی رکاوٹ کے جاری تھیں۔ تیرہویں صدی اگرچہ مسلمانوں کے عسکری زوال کا دور ہے جب مسلمانوں کا دارالسلطنت بغداد تباہ ہو رہا تھا اور یورپ (اسپین) سے انہیں نکالا جا رہا تھا مگر عین اس وقت اسلام کے فکر و نظریہ کی طاقت مشرق بعید انڈونیشیا' ملیشیا کو فتح کر رہی تھی' وہاں اپنے قدم جما رہی تھی۔" اور آگے بڑھئے' ۱۸۵۷ء میں ہندوستان میں مسلمانوں کی سیاسی و عسکری طاقت زوال کی انتہا کو پہنچ گئی حتیٰ برطانوی ایسٹ انڈیا کمپنی نے دارالسلطنت دہلی پر قبضہ کر لیا۔ اس وقت ۱۸۵۷ء شاملی کے میدان میں جن علماء نے انگریز سے شکست کھائی ان میں مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ بھی تھے۔ مگر چند سال بعد جب یورپ کے پادری فنڈر (Fundor) نے فکری و نظریاتی میدان (مناظرہ) میں مسلمانوں کو للکارا تو انہی مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ نے اسے ایسی شکست دی کہ وہ ہندوستان سے بھاگ کھڑا ہوا۔ تاریخ میں بارہا نظر آئے گا کہ مسلمان عسکری میدان میں مغلوب ہوگئے مگر

جب کبھی فکری و نظریاتی تقابل ہوا تو اسلام کو دنیا کے ہر مذہب اور ہر نظریہ و فکر پر مکمل بالادستی حاصل ہوئی۔ یہ بات مسلمانوں کے حق میں خوش آئند ہے کہ مغرب میں اسلام کی اندھی مخالفت و عصبیت کے بادل گزشتہ صدی سے چھٹنے شروع ہوگئے تھے اور اہل مغرب کو اسلام اور پیغمبر اسلامؐ کے متعلق اپنے مبنی بر تعصب غلط رویہ کا احساس ہو چلا تھا۔ چنانچہ مشہور انگریز ادیب جارج برنارڈ شاہ ایک جگہ لکھتا ہے "محمد کے پیش کردہ دین کو ادیان عالم میں بہت ہی بلند مرتبہ حاصل ہے۔ دیگر ادیان کے برعکس اس دین میں دائماً" زندہ رہنے کی حیرت انگیز قوت موجود ہے۔ اس کی وجہ جہاں تک میں سمجھا ہوں یہ ہے کہ اسلام ہی وہ مذہب ہے جو اپنے اندر مختلف طریقہ ہائے حیات کو سمونے کی اہلیت اور بنی نوع انسان کے ہر طبقہ کو جذب کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یورپ میں بھی اسے روز بروز مقبولیت حاصل ہو رہی ہے۔ جہالت' تعصب کے باعث ازمنہ وسطیٰ میں اسلام کو انتہائی بھیانک صورت میں عوام کے سامنے پیش کیا گیا اور انہیں یہ یقین دلانے کی کوشش کی گئی کہ اسلام یسوع مسیحؑ کا سب سے بڑا دشمن ہے۔ لیکن میں محمد کو انسانیت کا نجات دہندہ سمجھتا ہوں اور میرا اعتقاد ہے کہ اگر آج بھی دنیا کو محمد کی خوبو رکھنے والے کسی شخص کی خدمات میسر آجائیں تو بنی نوع انسان کی تمام مشکلات یکسر کافور ہو سکتی ہیں۔ اور زمین میں امن و امان اور خوش بختی کا دور شروع ہو سکتا ہے۔ آج زمانہ کو انہی چیزوں کی بہت زیادہ ضرورت ہے۔"

اسی طرح جارج برنارڈ شاہ ایک اور جگہ یورپ میں اسلام کے مستقبل کے متعلق پیشین گوئی کرتے ہوئے لکھتے ہیں "میری اپنی قوم اور یورپ کے دیگر ممالک سے متعدد اشخاص اسلام قبول کر چکے ہیں اور اب یہ بات بلاشک، شبہ کی جا سکتی ہے کہ یورپ کے کلیتاً اسلام قبول کرنے کا سلسلہ شروع ہو چکا ہے۔ برنارڈ شاہ کے علاوہ مغرب کے اور بھی بڑے بڑے مفکرین نے اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ انیسویں صدی عیسوی میں کارلائل اور گبن جیسے جلیل القدر مفکرین نے اسلام کو حقائق و انصاف کی کسوٹی پر پرکھا اور جو نتائج اخذ کر کے دنیا کے سامنے پیش کیا ان کی بنا پر یورپ والوں کے نقطہ نظر میں تیزی کے ساتھ تبدیلی آنی شروع ہوئی اور انہوں نے اسلام پر ہمدردانہ نظر سے غور کرنا شروع کیا۔ موجودہ بیسویں صدی میں تو اسلام کے متعلق اہل یورپ کے نقطہ نظر میں بہت زیادہ تبدیلی آچکی ہے اور نفرت و عداوت کی جگہ اسلام کی عظمت و محبت نے لے لی ہے۔ اس رفتار کو دیکھتے ہوئے کچھ تعجب نہیں کہ اکیسویں صدی میں اسلام پورے طور پر اہل یورپ کے دلوں میں گھر کر جائے اور اسے وہ نجات کا ذریعہ سمجھ کر جوق در جوق اس میں داخل ہونا شروع ہو جائیں۔ حالات سے یہ اندازہ کرنا دشوار نہیں کہ انسانی ضمیر آہستہ آہستہ تکمیل کے مدارج طے کر رہا ہے۔ اور یہ مقدر ہو چکا ہے کہ جلد یا بدیر دنیا آلام و مصائب کے چکر سے نجات حاصل کر لے۔ اس کے آثار نظر آرہے ہیں کہ زمین کی طنابیں کھنچ چکی ہیں۔ باشندگان ارض کو میل ملاپ کی جو سہولتیں آج میسر ہیں ایسی پہلے کبھی نہیں ہوئیں۔ چھاپا خانوں کی بدولت کتابوں کی اشاعت وسیع پیمانے پر ہو رہی ہے اور کسی بھی علم و فن اور مذہب و ملت کے متعلق معلومات کا دستیاب ہونا دشوار نہیں رہا۔ صحافت جو خیالات و عقائد کی اشاعت کا نہایت موثر ذریعہ ہے عروج پر ہے۔ ریڈیو ٹیلی ویژن کے بعد اب کمپیوٹر' انٹرنیٹ اور سیٹلائٹ نے دنیا کو ایک گاؤں اور مختلف ملکوں کو محلے بنا دیا ہے۔ یہ سب سامان اس یوم موعود کو قریب لانے کے لیے کیے جا رہے ہیں جب ساری دنیا کا ایک ہی مذہب ہوگا اور ایک ہی دین ہوگا۔ جو فضائیں آج جنگ کے نعروں سے گونج رہی ہیں کل امن و سلامتی کے ترانوں سے معمور ہوں گی اور جہاں اس وقت تعصب و جہالت کی گھنگور گھٹائیں چھا رہی ہیں وہاں آفتاب اسلام طلوع ہو کر ہر قسم کی تاریکی دور کر دے گا۔

اب وہ وقت زیادہ دور نہیں جب نبی آخر الزمان ﷺ کی پیشین گوئی کے مطابق ہر کچے پکے گھر میں اسلام داخل ہوگا اور روئے زمین کا گوشہ گوشہ اللہ کے نور سے جگمگا اٹھے گا۔ ہم یہ بات محض خوش اعتقادی کی بنا پر نہیں کہہ رہے بلکہ بے شمار مغربی مفکرین بھی گہرے غور و خوض کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے ہیں۔ جناب وحید الدین خان لکھتے ہیں' "ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا امرت بقریۃ تاکل القریٰ یقولون یثرب وھی المدینہ "مجھے ایک ایسی بستی کا حکم دیا گیا ہے جو تمام بستیوں کو کھا جائے گی لوگ اس کو یثرب کہتے ہیں مگر وہ مدینہ ہے۔" اس حدیث سے اسلام کا طریقہ معلوم ہوتا ہے وہ یہ کہ مکہ میں اسلامی دعوت کے لیے حالات نا مساعد ہوں تو مدینہ کو دعوت کا مرکز بنا کر دوسرے علاقوں کو مسخر کرو۔ یہ طریق دور اول میں نہایت کامیاب رہا اور موجودہ دور میں بھی اس کے مواقع پوری طرح موجود ہیں۔ آج مغرب کو اسی طرح کے ایک قریہ کا مقام حاصل ہے۔ یہاں قدرت کے مخفی ہاتھ نے مکمل طور پر وہ حالات پیدا کر دیے ہیں جو اس دور میں یثرب میں پیدا ہوگئے تھے۔ یہاں کے لوگوں میں مختلف اسباب کے تحت اسلام سے نفرت ختم ہو رہی ہے اور دین حق کی پیاس پیدا ہو چکی ہے۔ یہاں دعوت و تبلیغ کے آزادانہ مواقع موجود ہیں۔ ابلاغ کے جدید ترین وسائل مہیا ہیں جو کسی فکر و نظریہ کی اشاعت کے موثر طور پر انجام دینے کے لیے درکار ہیں۔ مزید یہ کہ آج مغرب کو دنیا میں عالمی قیادت کا مقام حاصل ہے۔ اگر یہاں صبر و تحمل اور استقامت کے ساتھ موثر انداز میں دعوت الی اللہ کا کام کیا جا سکے اور اسلام کے محاسن اور انسانیت کی بہبودی کے پہلوؤں کو ذہنوں میں اتارا جا

سکے تو حدیث کے الفاظ میں مغرب کا قریہ دوسرے تمام قریوں کو نگل جائے گا۔"

آگے یہی مصنف لکھتے ہیں "اسلام کی دعوتی قوت آج بھی ظاہر ہو سکتی ہے بشرطیکہ مسلمان وہ تمام قومی نزاعات ختم کر دیں جو ہر ایک ملک میں اپنے غیر مسلم ہمسائیوں سے چھیڑے ہوئے ہیں۔ یہ قومی نزاعات جن کو غلطی سے جہاد کا نام دیا گیا ہے اسلام کی دعوتی قوت کے ظہور میں سب سے بڑی رکاوٹ ہیں۔ جس دن یہ نزاعات ختم ہوں گے اسی دن اسلام کا دعوتی سیلاب موجزن ہو جائے گا۔ اور اس وقت تک نہ تھمے گا جب تک وہ اپنی آخری حد کو نہ پہنچ جائے۔"

ہمارے نزدیک مغرب میں مسلمانوں کے کرنے کا کام صرف یہی ہے کہ وہ اسلام کی دعوت کو لے کر اٹھیں۔ اگر اسلام کی دعوت و فکر کے کام کرنے کے لیے کمربستہ ہو جائیں تو خدا کی رحمتوں کے سب سے زیادہ حقدار ٹھہریں گے۔ اور ان کا وجود یہاں کی قوموں کے لیے بھی باعث رحمت ثابت ہوگا۔

پاکستان، قادیانی اور بھٹو مرحوم

احمدیہ مسئلہ! یہ ایک ایسا مسئلہ تھا جس پر بھٹو صاحب نے کئی بار کچھ نہ کچھ کہا۔ ایک دفعہ کہنے لگے، رفیع یہ لوگ چاہتے ہیں کہ ہم ان کو پاکستان میں وہ مرتبہ دیں جو یہودیوں کو امریکہ میں حاصل ہے یعنی ہماری ہر پالیسی ان کی مرضی کے مطابق چلے۔

ایک بار انہوں نے کہا کہ قومی اسمبلی نے ان کو غیر مسلم قرار دیا ہے۔ اس میں میرا کیا قصور ہے؟ ایک دن اچانک مجھ سے پوچھا کہ کرنل رفیع، کیا احمدی آج کل یہ کہہ رہے ہیں کہ میری موجودہ مصیبتیں ان کے خلیفہ کی بددعا کا نتیجہ ہیں کہ میں کال کوٹھڑی میں پڑا ہوں؟ ایک مرتبہ کہنے لگے کہ بھئی اگر ان کے اعتقاد کو دیکھا جائے تو وہ تو حضرت محمد ﷺ کو آخری نبی ہی نہیں مانتے اور اگر وہ مجھے اپنے آپ کو غیر مسلم قرار دینے کا ذمہ دار ٹھہراتے ہیں تو کوئی بات نہیں۔ پھر کہنے لگے میں تو بڑا گناہ گار ہوں اور کیا معلوم کہ میرا یہ عمل ہی میرے گناہوں کی تلافی کر جائے اور اللہ تعالیٰ میرے تمام گناہ اس نیک عمل کی بدولت معاف کر دے۔ بھٹو صاحب کی باتوں سے میں یہ اندازہ لگایا کرتا تھا کہ شاید انہیں گناہ وغیرہ کا کوئی خاص احساس نہ تھا لیکن اس دن مجھے محسوس ہوا کہ معاملہ اس کے برعکس ہے۔

("بھٹو کے آخری ۳۲۳ دن" از کرنل رفیع الدین)

بنگلہ دیش میں مولانا ساجد عثمان کی گرفتاری

گزشتہ دنوں بنگلہ دیش میں ایک پاکستانی عالم دین مولانا ساجد عثمان کو گرفتار کر لیا گیا، وہ میرے شاہ صادق آباد ضلع رحیم یار خان میں حفظ قرآن کریم کی معروف درسگاہ مدرسہ خدام القرآن کے بانی حضرت مولانا محمد عثمانؒ کے فرزند ہیں، ایک عرصہ تک جہاد افغانستان سے منسلک رہے ہیں اور حرکت الجہاد الاسلامی کے ذمہ دار حضرات میں سے ہیں۔ چند برسوں سے وہ ایک بین الاقوامی رفاہی تنظیم "سرونٹس آف سفرنگ ہیومینٹی انٹرنیشنل" سے وابستہ ہیں جو جنوبی افریقہ کے ایک بزرگ عالم دین حضرت مولانا احمد صادق ڈیسائی (خلیفہ مجاز حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحبؒ) کی سربراہی میں مختلف ممالک میں نادار افراد کی خدمت، سماجی ورک اور قرآن کریم کی تعلیم کے حوالہ سے سرگرم عمل ہے اور اسی کے ایک شعبہ "خدام القرآن" کے چیئرمین کی حیثیت سے مولانا ساجد عثمان کام کر رہے ہیں۔ اس تنظیم کی جاری کردہ ایک رپورٹ کے مطابق "خدام القرآن" نے بنگلہ دیش کے مختلف علاقوں میں قرآن کریم کی تعلیم کے ۵۰۰ سے زائد مکاتب قائم کیے ہیں جن میں پچاس ہزار کے لگ بھگ طلبہ تعلیم حاصل کر رہے ہیں جبکہ بنگلہ دیش کے علاوہ افغانستان، نیپال اور پاکستان میں بھی اسی طرح کے مکاتب قائم کیے گئے ہیں۔ ان کی گرفتاری کے بارے میں بنگلہ دیش کے سرکاری ذرائع کا کہنا ہے کہ انہیں عالم اسلام کے عظیم مجاہد الشیخ اسامہ بن لادن حفظہ اللہ تعالیٰ سے تعلق کی بنیاد پر گرفتار کیا گیا ہے مگر "خدام القرآن" کے ذمہ دار حضرات کا موقف یہ ہے کہ یہ بات خلاف واقعہ ہے اور اصل قصہ یہ ہے کہ بنگلہ دیش میں سماجی ورک کے عنوان سے سینکڑوں مسیحی مشنری ادارے اور این جی اوز اس ملک کے غریب عوام کی غربت اور سادگی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے انہیں گمراہ کرنے میں مصروف ہیں اور "خدام القرآن" ان کی ایک مضبوط حریف کے طور پر میدان میں ہے جس کا دائرہ کار اور اثرات دن بدن وسیع ہوتے جا رہے ہیں اس لیے اس کا راستہ روکنے اور اس کی سرگرمیوں میں رکاوٹ ڈالنے کے لیے مولانا ساجد عثمان کو گرفتار کیا گیا ہے۔

گزشتہ سال شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر دامت برکاتہم کے ہمراہ بنگلہ دیش کے سفر کے دوران ہم نے بھی عالمی اداروں کی مدد سے چلنے والی این جی اوز اور مسیحی مشنریوں کی سرگرمیوں کے بارے میں وہاں کے سنجیدہ دینی حلقوں میں تشویش محسوس کی تھی اس بنا پر یہی بات قرین قیاس لگتی ہے کہ مولانا ساجد عثمان این جی اوز کی معاندانہ سازش کا شکار ہوئے ہیں اس لیے ہم حکومت پاکستان سے گزارش کریں گے کہ اس سلسلہ میں بنگلہ دیش کے حکام سے بات کی جائے اور مولانا ساجد عثمان کی رہائی کے لیے اثر و رسوخ استعمال کیا جائے۔

ابو عمار زاہد الراشدی

اسلام اور خواتین کے حقوق

انسانی نسل کی بقا اور معاشرت کی گاڑی جن دو پہیوں پر رواں دواں ہے، ان میں ایک عورت ہے جس کا نسل انسانی کی نشو ونما اور ترقی میں اتنا ہی عمل دخل ہے جتنا مرد کا ہے۔ اس لیے اسلام نے عورت کے وجود کو نہ صرف تقدس اور احترام بخشا بلکہ اس کی اہمیت وافادیت کا بھرپور اعتراف کیا ہے اور اسے ان تمام حقوق اور تحفظات سے نوازا ہے جو مرد اور عورت کے فطری فرائض کی تکمیل کے لیے ضروری ہیں۔ تاریخ گواہ ہے کہ جناب نبی اکرم ﷺ کی بعثت سے قبل عورت کو انسانی معاشرہ میں ایک آزاد اور خود مختار وجود کی حیثیت حاصل نہ تھی۔ بالخصوص جاہلی معاشرہ میں عورت کو نہ وراثت میں حقدار تسلیم کیا جاتا تھا اور نہ اس کی رائے کو وقعت دی جاتی تھی، بلکہ بعض علاقوں میں تو عورت اور جانور میں کوئی فرق روا نہ رکھا جاتا تھا۔ مگر جناب نبی اکرم ﷺ نے عورت کے بارے میں جاہلی تصورات کی نفی کی اور اسے وہ تمام حقوق اور تحفظات بخشے جو فطری طور پر اس کے لیے ضروری ہیں۔ جناب نبی اکرم ﷺ کا دور اور خلافت راشدہ کا زمانہ اسلام کی عملداری کے لحاظ سے ایک مثالی دور ہے۔ اور جب ہم اس دور میں عورت کے معاشرتی مقام پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں عورت کے حوالہ سے اسلام کے خلاف مغربی میڈیا کے وہ تمام اعتراضات بے بنیاد نظر آتے ہیں جن کا ایک عرصہ سے مسلسل اور منظم پراپیگنڈہ کیا جا رہا ہے اور خواتین کو اسلامی قوانین واحکام کے نفاذ کی صورت میں بنیادی حقوق سے محرومی کا خوف دلا کر نفاذ اسلام کے خلاف منظم کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ چند اہم انسانی حقوق کے حوالہ سے اسلام کے خلاف مغربی لابیوں کے اعتراضات کا جائزہ لیا جائے۔

رائے کی آزادی

آزادی رائے کو انسانی حقوق میں بنیادی اہمیت حاصل ہے اور امر واقعہ یہ ہے کہ آزادی رائے کا جو معیار اسلام نے قائم کیا ہے، دوسرا کوئی نظام آج تک اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ خلیفہ وقت کو سرعام ٹوک دینا اور اسے اپنی پوزیشن کی وضاحت کیے بغیر خطبہ میں آگے نہ بڑھنے دینا عوامی احتساب اور آزادی رائے کی ایک قابل فخر مثال ہے۔ لیکن یہ واقعہ مرد کا ہے، جبکہ تاریخ ایک اور منظر بھی پیش کرتی ہے کہ مدینہ منورہ میں ایک بوڑھی خاتون خولہ بنت حکیمؓ امیر المومنین حضرت عمرؓ کو سرعام روک کر کھڑی ہے اور کہہ رہی ہے:

"عمر! وہ دن یاد رکھو جب تمہیں عکاظ کے بازار میں صرف عمر کے نام سے یاد کیا جاتا تھا اور آج تم امیر المومنین کہلاتے ہو اس لیے خدا سے ڈرتے رہو اور انصاف کا دامن مضبوطی سے پکڑے رہو"

حضرت عمرؓ اس بڑھیا کے سامنے سر جھکائے کھڑے ہیں اور اپنے عمل کے ساتھ دنیا کو بتا رہے ہیں کہ انسانی معاشرہ میں مرد کی طرح عورت کو بھی یہ حق حاصل ہے کہ راہ چلتے امیر المومنین کا راستہ روک کر کھڑی ہو جائے اور انصاف کی طلب گار ہو۔

حق طلبی

اسلام مرد کی طرح عورت کو بھی یہ حق دیتا ہے کہ وہ اپنے جائز حق کے لیے ڈٹ جائے اور اس کے خلاف کسی بڑے سے بڑے دباؤ کی پروا نہ کرے۔ حضرت عائشہؓ کی باندی بریرہؓ کو آزاد ہونے کے بعد شرعی طور پر یہ حق حاصل ہو گیا تھا کہ وہ اپنے سابقہ خاوند مغیثؓ کے ساتھ نہ رہنا چاہے تو اس سے الگ ہو جائے۔ بریرہؓ نے اپنا یہ حق استعمال کیا تو مغیثؓ پریشان ہو گئے، وہ مدینہ منورہ کی گلیوں میں روتے پھرتے تھے اور کہتے تھے کہ کوئی ہے جو بریرہؓ کو دوبارہ میرے ساتھ رہنے پر آمادہ کرے؟ اس کی حالت دیکھ کر خود جناب نبی اکرم ﷺ نے بریرہؓ سے بات کی اور اسے اپنے فیصلہ پر نظر ثانی کے لیے کہا۔ بریرہؓ نے صرف یہ پوچھا کہ یا رسول اللہ! یہ آپ کا حکم ہے یا مشورہ ہے؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ صرف مشورہ ہے تو بریرہؓ نے دو ٹوک کہہ دیا کہ یہ مشورہ قبول نہیں کر سکتی۔ چنانچہ بریرہؓ مغیثؓ سے الگ رہنے کے فیصلہ پر قائم رہی اور اپنے عمل کے ساتھ اسلام کا یہ اصول دنیا کے سامنے پیش کیا کہ عورت اپنے جائز حق سے از خود دستبردار نہ ہونا چاہے تو اسے اس کے حق سے کسی صورت میں محروم نہیں کیا جا سکتا۔

اجتماعی معاملات میں مشاورت

خلافت راشدہ کے دور میں عورت اجتماعی معاملات میں بھی مشاورت کے دائرہ میں شامل رہی ہے۔ بالخصوص ازواج مطہرات رضوان اللہ علیہن کو تو اس دور میں امت مسلمہ کی اجتماعی راہنمائی کا مقام حاصل تھا۔ اہم امور میں ان سے مشورہ کیا جاتا تھا اور ان سے اجتماعی معاملات میں راہنمائی حاصل کی جاتی تھی حتیٰ کہ ایک موقع پر مدینہ منورہ کے عامل امیر مروان بن حکم نے یہاں تک کہہ دیا کہ:

"جب تک ازواج مطہراتؓ موجود ہیں، ہمیں دوسرے لوگوں سے مسائل دریافت کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے؟"

اور عورتوں سے متعلقہ امور میں تو مشورہ ہی عورتوں سے کیا جاتا تھا۔ مشہور تاریخی واقعہ ہے کہ حضرت عمر بن الخطابؓ نے ام المومنین

حضرت حفصہؓ کے ذمہ لگایا کہ وہ سمجھدار عورتوں سے مشورہ کر کے بتائیں کہ ایک عورت خاوند کے بغیر کتنا عرصہ آسانی کے ساتھ گزارا کر سکتی ہے۔ چنانچہ ان کی رائے پر حضرت عمرؓ نے حکم جاری کیا کہ ہر فوجی کو چھ ماہ کے بعد کچھ دنوں کے لیے ضرور گھر بھیجا جائے۔

تعلیم اور افتا

خلافت راشدہ کے دور میں خواتین کو علم حاصل کرنے اور تعلیم دینے کے آزادانہ مواقع میسر تھے۔ حضرت عائشہؓ اور ان کے ساتھ بیسیوں خواتین کو رسول اللہ ﷺ کے ارشادات امت تک پہنچانے کا شرف حاصل ہے۔ ان کے شاگردوں میں مرد بھی تھے اور عورتیں بھی تھیں۔ وہ نہ صرف احادیث بیان کرتی تھیں بلکہ فتویٰ بھی دیتی تھیں اور ان کے فتویٰ پر عمل کیا جاتا تھا۔ ام المومنین حضرت عائشہؓ سے جو فتاویٰ منقول ہیں، ان سے ایک بڑا مجموعہ مرتب ہو سکتا ہے۔ حضرت عائشہؓ سے بڑے بڑے علماء صحابہؓ مسائل میں رجوع کرتے تھے اور اپنے اشکالات کا تسلی بخش جواب پاتے تھے۔ اسی طرح حضرت ام سلمہؓ سے بھی علمی معاملات میں رجوع کیا جاتا تھا۔ الغرض علم اور افتا کا میدان بھی خواتین کے لیے کھلا تھا اور اس میں ان کی اہمیت تسلیم کی جاتی تھی۔

معاشی تحفظ

اسلام نے عورت کے معاشی حقوق اور تحفظات کا جو متوازن نظام پیش کیا ہے، وہ بھی اسلام کی صداقت کی دلیلوں میں سے ایک بڑی دلیل ہے۔ یہ شعبہ ایسا ہے جہاں بڑے بڑے نظام افراط و تفریط کا شکار ہو گئے ہیں، لیکن اسلام نے اعتدال اور توازن کا اصول یہاں بھی پوری طرح قائم رکھا ہے۔

آج "عورت اور مرد کی ہر میدان میں برابری" کے خوشنما نعرے کے ساتھ عورت کو دوہری ذمہ داریاں ادا کرنے پر مجبور کیا جا رہا ہے۔ اس کی ایک ذمہ داری وہ ہے جو فطری طور پر اسی کے ذمہ ہے اور وہ اس ذمہ داری سے نہ دست کش ہو سکتی ہے اور نہ اسے کسی اور کو منتقل کر سکتی ہے۔ یہ ذمہ داری بچے کی پیدائش، پرورش اور گھر کے اندرونی نظام کو کنٹرول کرنے کی ہے۔ مرد کچھ بھی کرے، وہ ان میں سے کوئی ذمہ داری نہیں نباہ سکتا۔ یہ تینوں ڈیوٹیاں لامحالہ عورت ہی سنبھالتی ہے۔ لیکن مغرب کا آزادی اور برابری کا فلسفہ اسے مجبور کرتا ہے کہ وہ کمانے کی ذمہ داری بھی قبول کرے اور مرد کی برابری کرنے کے شوق میں ملازمت بھی اختیار کرے۔ اس طرح مغرب کا مرد عورت کی فطری ذمہ داریوں میں سے کوئی ذمہ داری اپنے سر لیے بغیر اپنی نصف ذمہ داری عورت کے کھاتے میں ڈالنے میں کامیاب ہو گیا ہے اور اسے معاشی آزادی اور برابری کا نام دے دیا گیا ہے۔ حالانکہ یہ سراسر ظلم ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ پہلی اور دوسری جنگ عظیم میں آبادی کا بہت بڑا حصہ قتل ہو جانے کے بعد دفاتر اور کارخانوں میں افرادی قوت کی کمی ہوئی تو یورپ کے دانش وروں نے عورتوں کے ذریعہ یہ خلا پر کرنا چاہا اور انہیں گھروں سے نکال کر دفاتر اور کارخانوں میں لانے کے لیے معاشی برابری کا خوشنما نعرہ ایجاد کیا۔ ورنہ انصاف کی نظر سے دیکھا جائے تو یہ سراسر ظلم ہے اور اس ظلم کا نقد نتیجہ یورپی معاشرہ کو مل گیا ہے کہ وہاں خاندانی زندگی کا ڈھانچہ تباہ ہو کر رہ گیا ہے۔ اس کے برعکس اسلام نے عورت کو کوئی فریب نہیں دیا اور اسے صاف صاف کہہ دیا ہے کہ چونکہ گھر کے اندر کا نظام عورت کی سپرداری میں ہے اس لیے باہر کی کوئی ڈیوٹی اس کے سپرد کرنا اس پر ظلم ہے۔ اسی لیے عورت کے تمام اخراجات مرد کے ذمہ لگا دیے گئے ہیں اور ان اخراجات کے سلسلہ میں عورت کو عدالتی تحفظات بھی دیے گئے ہیں تا کہ کوئی مرد اس معاملہ میں عورت کے ساتھ ناانصافی نہ کر سکے۔ ستم ظریفی کی بات یہ ہے کہ کمانا اور ملازمت کرنا فرائض میں سے ہے، یہ ایک مشقت کی بات ہے اور اس کا شمار ذمہ داریوں میں ہوتا ہے، لیکن مغرب کے فلسفہ نے اس پر حقوق کا لیبل لگا کر عورتوں کو یہ باور کرانے کی مہم چلا رکھی ہے کہ انہیں ملازمت سے الگ رکھ کر حقوق سے محروم کیا جا رہا ہے اور بے چاری عورت یہ دیکھے بغیر اس نعرے کے پیچھے لپکی جا رہی ہے کہ حقوق کے نام پر اس کے فرائض کو ڈبل کیا جا رہا ہے۔ اسلام نے فرائض کی ایک فطری تقسیم کر دی ہے کہ گھر کے اندر کی ذمہ داری عورت کی ہے اور باہر کی ذمہ داری مرد پر ہے۔ اور مرد و عورت کی خلقت میں فطرت نے جو طبعی فرق رکھا ہے، اس کو برقرار رکھتے ہوئے اس کے سوا کوئی تقسیم ممکن ہی نہیں ہے۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ اسلام عورت کے ملازمت کرنے پر کلی پابندی لگاتا ہے۔ ہرگز نہیں! بلکہ اسلام عورت کو ایسی ہر ملازمت کی اجازت دیتا ہے جس سے اس کی نسوانی حیثیت متاثر نہ ہو، اس کی خاندانی ذمہ داریوں پر زد نہ پڑے اور اس پر اس کی طاقت وصلاحیت سے زیادہ بوجھ نہ پڑے۔

الغرض اسلام عورت کو انسانی زندگی کی گاڑی کا برابر کا پہیہ تسلیم کرتا ہے اور اس کو وہ تمام حقوق دیتا ہے جو انسانی معاشرہ میں اپنا فطری کردار ادا کرنے کے لیے اسے درکار ہیں، البتہ فرائض کی تقسیم وہ مرد اور عورت کے طبعی تقاضوں اور فطری ضروریات کو سامنے رکھ کر کرتا ہے اور عورت کو ہر ایسے عمل سے روکتا ہے جو اس کے نسوانی وقار، فطری ذمہ داریوں اور طبعی مناسبت کے منافی ہو اور مغربی میڈیا کے تمام تر بلند بانگ دعووں اور پراپیگنڈہ کے باوجود اسلام کا یہ اصول حق تلفی نہیں بلکہ عین انصاف ہے جس کے بغیر انسانی معاشرت کو متوازن رکھنا ممکن ہی نہیں ہے۔

جرس کارواں

دینی استعمار کے مقابلہ اور غلبہ اسلام کے لیے دینی جماعتوں کا اتحاد ضروری ہے

گوجرانوالہ' بہاول پور اور اوکاڑہ میں مجلس عمل کا قیام

مجلس عمل علماء اسلام پاکستان کے مرکزی رابطہ سیکرٹری مولانا سید عطاء المومن شاہ بخاری نے ۱۴ فروری کا اوکاڑہ جامع مسجد عیدگاہ' ۲۵ فروری کو دار القرآن عزیزیہ قائم پور ضلع بہاول پور اور ۵ مارچ کو مرکزی جامع مسجد گوجرانوالہ میں مجلس عمل میں شامل جماعتوں کے مقامی و ضلعی راہ نماؤں کے اجتماعات سے خطاب کیا۔ انہوں نے مجلس عمل کے اغراض ومقاصد پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ امریکی استعمار کے مقابلہ اور غلبہ اسلام کے لیے دینی جماعتوں کا اتحاد ضروری ہے اور تمام دینی جماعتوں اور مراکز کو اس کی ضرورت واہمیت کا احساس کرنا چاہیے۔ اس موقع پر ان اضلاع میں مجلس عمل کے مندرجہ ذیل تنظیمی ڈھانچے تشکیل دیے گئے۔

گوجرانوالہ : جناب عثمان عمر ہاشمی ۲۔ کالج روڈ' زیڈ بلاک' پیپلز کالونی گوجرانوالہ کو مجلس عمل کی رابطہ کمیٹی کا سیکرٹری منتخب کیا گیا جو تمام جماعتوں سے دو دو نمائندے لے کر رابطہ کمیٹی مکمل کریں گے اور اس کے بعد باقاعدہ اجلاس میں عہدہ داروں کا انتخاب کیا جائے گا۔

ضلع بہاول پور : مولانا قاری محمد ادریس اجمل رابطہ سیکرٹری ہوں گے جبکہ مفتی سید مظہر شاہ صاحب کو امیر' مفتی گلزار احمد صاحب اور مولانا رشید احمد رشیدی کو نائب امیر اور مولانا فیض اللہ ارشد کو کنوینر مقرر کیا گیا۔ باقی اہم ارکان کے نام یہ ہیں : مولانا عابد نفیس خیر پور' مولانا شبیر احمد بخش خان' مولانا دوست محمد جمال پور اور مولانا محمد شفیق طارق قائم پور۔

اوکاڑہ : مولانا خلیل احمد رشیدی امیر ہوں گے جبکہ مولانا سید محمد انور شاہ آف دیپالپور اور مولانا محمد قاسم نائب امیر ہوں گے۔ حافظ محمد اسحاق آف اوکاڑہ رابطہ سیکرٹری کے فرائض سرانجام دیں گے اور رابطہ کمیٹی میں مولانا عبد الاحد' مولانا مفتی غلام مصطفیٰ' حافظ محمد شعبان' مولانا اختر ندیم' حافظ ندیم سرور' قاری تاج محمود' نوید فاروقی اور مولانا عبد الرزاق شامل ہیں۔

مولانا سید عطاء المومن شاہ بخاری نے بتایا کہ یکم اپریل کو ڈیرہ غازی خان کا علماء کنونشن ہوگا جس میں مجلس عمل کا قیام عمل میں لایا جائے گا۔

چناب نگر کی تختی کی نقاب کشائی

پنجاب اسمبلی کے فیصلے کے مطابق ربوہ کا نام تبدیل ہونے پر نئے نام "چناب نگر" کی تختی کی نقاب کشائی کی تقریب ۲۶ فروری کو منعقد ہوئی اور فضیلت الشیخ مولانا عبد الحفیظ مکی' سفیر ختم نبوت مولانا منظور احمد چنیوٹی اور پنجاب اسمبلی میں قائد حزب اختلاف جناب سعید احمد منیس نے ہزاروں افراد کی موجودگی میں تختی کی نقاب کشائی کی' اس موقع پر ادارہ مرکزیہ دعوت وارشاد چنیوٹ میں سالانہ فتح مباہلہ کانفرنس بھی منعقد ہوئی جس میں مولانا منظور احمد چنیوٹی' شیخ الحدیث مولانا نذیر احمد' مولانا زاہد الراشدی' مولانا قاری عبد الحئی عابد' مولانا سید محمد قاسم شاہ اور دیگر زعماء نے خطاب کیا۔

کانفرنس میں ربوہ کا نام چناب نگر رکھنے پر پنجاب اسمبلی کے ارکان' حکومت پنجاب اور مولانا منظور احمد چنیوٹی کو مبارک باد پیش کرتے ہوئے ایک قرارداد میں مطالبہ کیا گیا کہ ربوہ کے مکینوں کو ان کے مکانات اور دکانوں کے مالکانہ حقوق دلوانے کے لیے قانون سازی کی جائے اور ملک بھر کے دیگر مسلم اور غیر مسلم اوقاف کی طرح قادیانیوں کے اوقاف کو بھی سرکاری تحویل میں لیا جائے۔

مولانا زاہد الراشدی کا دورۂ فیصل آباد ووزیر آباد

پاکستان شریعت کونسل کے سیکرٹری جنرل مولانا زاہد الراشدی نے ۷ مارچ کو فیصل آباد کو دورہ کیا اور بٹالہ کالونی میں تنظیم اسلامی کے زیر اہتمام "منہاج محمدی کانفرنس" سے خطاب کرنے کے علاوہ جامعہ مدینۃ العلم بکر منڈی میں پاکستان شریعت کونسل اور دیگر جماعتوں کے راہ نماؤں سے ملاقات کی اور مختلف امور پر ان سے تبادلہ خیال کیا۔ علاوہ ازیں مولانا زاہد الراشدی نے وزیر آباد کا بھی دورہ کیا اور مجلس اساتذہ اسلام پاکستان کے راہ نما پروفیسر حافظ منیر احمد سے مجلس اساتذہ اسلام کو ملک بھر میں منظم کرنے کے امکانات پر تبادلہ خیال کیا۔ پروفیسر حافظ منیر احمد نے اس موقع پر اسے وقت کی اہم ضرورت قرار دیتے ہوئے اس سلسلہ میں ملک بھر میں ہم خیال اساتذہ کے ساتھ نئے سرے سے رابطوں کے لیے عزم کا اظہار کیا اور مولانا زاہد الراشدی نے انہیں مکمل تعاون کا یقین دلایا۔

لاہور میں مولانا راشدی کا خطاب

پاکستان شریعت کونسل کے سیکرٹری جنرل مولانا زاہد الراشدی نے گزشتہ روز غوثیہ مسجد تیزاب احاطہ لاہور میں پاکستان شریعت کونسل کے اجلاس سے خطاب کیا اور علماء اور کارکنوں پر زور دیا کہ کونسل کی رکن سازی اور رابطہ عوام مہم کو منظم طریقہ سے آگے بڑھایا جائے۔ انہوں نے کہا کہ ہمارا مقصد اسلامی نظام کے نفاذ کے لیے عوام کو ذہنی اور فکری طور پر

تیار کرنا ہے اور تمام جماعتوں کے دوست اپنی اپنی جماعت میں کام کرتے ہوئے بھی ہمارے ساتھ شریک ہو سکتے ہیں۔ اس موقع پر مولانا قاری جمیل الرحمٰن اختر، مولانا قاری نذیر احمد اور مولانا حافظ ذکاء الرحمٰن اختر نے بھی خطاب کیا۔

جناب عبد السلام پراچہ مرحوم

پاکستان شریعت کونسل کی مرکزی مجلس شوریٰ کے رکن مولانا عبد العزیز محمدی کے بھائی جناب عبد السلام پراچہ گزشتہ روز ڈیرہ اسماعیل خان میں انتقال کر گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مرحوم دینی کاموں اور جہادی سرگرمیوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے اور فعال سماجی کارکن تھے۔ اللہ تعالیٰ انہیں جوار رحمت میں جگہ دیں اور پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق سے نوازیں۔ آمین یا الہ العالمین

دعائے صحت کی اپیل

پاکستان شریعت کونسل کے سیکرٹری جنرل مولانا زاہد الراشدی نے گزشتہ ہفتے چناب نگر میں قائد احرار مولانا سید عطاء المحسن شاہ بخاری، لاہور میں بزرگ اہل حدیث راہ نما مولانا حافظ عبد القادر روپڑی اور حافظ آباد میں جمعیت علماء اسلام (ف) کے راہ نما مولانا محمد الطاف سے ملاقات کیا اور ان کی خیریت دریافت کی۔ تینوں بزرگ کافی عرصہ سے صاحب فراش ہیں۔ قارئین سے درخواست ہے کہ ان کی صحت یابی کے لیے دعا فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں صحت کاملہ وعاجلہ سے نوازیں۔ آمین

امریکہ سے جان چھڑاؤ، پھر اسلام کی بات کرو

جو پہنو ہم کو پہناؤ — پھر اسلام کی بات کرو
گھر گھر جیون دیپ جلاؤ — پھر اسلام کی بات کرو
کوٹھی ہیں کنالوں کی اور — نیچے ایک پجارو بھی
ہم کو سائیکل ہی دلواؤ — پھر اسلام کی بات کرو
دیکھو کچھ تو رہ بھی گیا — ہے اپنے دیس خزانوں میں
کھاؤ لیکن تھوڑا کھاؤ — پھر اسلام کی بات کرو
اللہ ہو کا ورد بجا ہے — نبیؐ کے گن بھی ٹھیک مگر
کچھ تو ان کا رنگ دکھاؤ — پھر اسلام کی بات کرو
توڑو یہ کشکول گدائی — اترو قرض کی سولی سے
امریکہ سے جان چھڑاؤ — پھر اسلام کی بات کرو

(حبیب جالب مرحوم)

فقہ حنفی والوں کو بھی زکوٰۃ کی کٹوتی سے چھوٹ

(اسلام آباد) نمائندہ جنگ) سپریم کورٹ کے فل بنچ نے سندھ ہائی کورٹ کا وہ فیصلہ برقرار رکھا ہے جس میں قرار دیا گیا ہے کہ فقہ جعفریہ کی طرح فقہ حنفی سے تعلق رکھنے والے مسلمان ڈیکلریشن دے کر زکوٰۃ کی لازمی کٹوتی سے استثناء حاصل کر سکتے ہیں۔ فل بنچ نے اس ضمن میں حکومت کی اپیل مسترد کر دی ہے۔ سپریم کورٹ کا فل بنچ جسٹس مسٹر جسٹس اجمل میاں، مسٹر جسٹس شیخ ریاض اور مسٹر جسٹس چودھری عارف حسین پر مشتمل تھا۔ عمومی تاثر یہ تھا کہ صرف فقہ جعفریہ سے تعلق رکھنے والے مسلمان ڈیکلریشن دے کر زکوٰۃ کی لازمی کٹوتی سے استثناء حاصل کر سکتے ہیں جبکہ سندھ ہائی کورٹ اور اس کے بعد سپریم کورٹ کے فیصلہ سے صورتحال واضح ہو گئی ہے کہ قانون کی نظر میں کسی بھی فقہ سے تعلق رکھنے والے مسلمان مساوی ہیں اور وہ زکوٰۃ و عشر آرڈیننس ۱۸ آف ۱۹۸۰ء کی ذیلی شق ۳ (ا) کے تحت ڈیکلریشن دے کر زکوٰۃ کی لازمی کٹوتی سے استثناء حاصل کر سکتے ہیں۔ اس معاملے کو مس فرزانہ کوثر نے سندھ ہائی کورٹ میں اٹھایا اور کہا کہ وہ پاکستان کی مسلم شہری ہے، اس کا تعلق فقہ حنفی سے ہے اور اس کی فقہ لازمی قرار نہیں دیتی کہ وہ اپنے این آئی ٹی یونٹ پر زکوٰۃ دے اور اس نے قانون کے مطابق استثناء حاصل کرنے کے لیے ڈیکلریشن دے دیا تھا۔ حکومت نے اس موقف کی مخالفت کی اور کہا کہ انہیں استثناء نہیں دیا جا سکتا۔ نیز یہ کہ یہ معاملہ ہائی کورٹ کے دائرہ اختیار میں نہیں آتا جبکہ ڈیکلریشن جو اس خاتون نے دیا ہے، وہ بھی قانون کی نظر میں درست نہیں۔ حکومت نے مزید موقف اختیار کیا کہ یہ معاملہ صرف وفاقی شرعی عدالت میں اٹھایا جا سکتا ہے۔ اس ضمن میں ہائی کورٹ رٹ جاری نہیں کر سکتی۔ سندھ ہائی کورٹ نے حکومت کا موقف مسترد کرتے ہوئے قرار دیا کہ زکوٰۃ آرڈیننس میں ایسی کوئی پابندی نہیں ہے کہ فقہ حنفی سے تعلق رکھنے والے مسلمان زکوٰۃ کی لازمی کٹوتی سے استثناء نہیں حاصل کر سکتے۔ ہائیکورٹ نے قرار دیا ہے کہ زکوٰۃ کی کٹوتی میں سہولت کے حوالے سے امتیاز آئین کے آرٹیکل ۴ اور ۲۵ کے بھی منافی ہے جو قانون کی نظر میں سب کو مساوی قرار دیتے ہیں۔ فیصلے میں یہ بھی قرار دیا گیا تھا کہ فقہ حنفی ایک مسلمہ فقہ ہے جس پر زکوٰۃ کی کٹوتی میں استثناء کے لیے کوئی پابندی کسی قانون کے ذریعے نہیں لگائی جا سکتی۔ فاضل عدالت نے قرار دیا کہ حکومت کو مس فرزانہ جو حنفی مسلمان ہیں، کے ڈیکلریشن مسترد کرنے کا کوئی اختیار نہیں۔ منگل کو چیف جسٹس مسٹر جسٹس اجمل میاں کی سربراہی میں فل بنچ نے حکومت کی اپیل کی سماعت کرتے ہوئے سندھ ہائی کورٹ کا فیصلہ برقرار رکھا۔

(روزنامہ جنگ۔ ۱۰ مارچ ۹۹ء)

اہل مدارس توجہ فرمائیں

"وفاق المدارس" کی طرف سے چند ضروری اعلانات

"وفاق المدارس العربیہ پاکستان" کی مجلس عاملہ نے اپنے حالیہ اجلاس منعقدہ ۷ ذی قعدہ ۱۴۱۹ھ میں جو اہم فیصلے کیے ہیں، ان میں سے مدارس سے متعلق فیصلوں کا خلاصہ درج ذیل ہے۔ تمام ارباب مدارس سے ان کی پابندی کی درخواست ہے۔

بنات کے لیے تحتانی سند کا اجراء: جن فاضلات کے پاس فوقانی درجہ کی اسناد ہوں اور وہ تحتانی سندات کی خواہش مند ہوں، تو درج ذیل شرائط پوری ہونے کی صورت میں وہ تحتانی اسناد حاصل کر سکتی ہیں۔

(۱) تحتانی نصاب باقاعدہ پڑھا ہوا ہو۔ (۲) متعلقہ ادارہ اس کی تصدیق کرتا ہو۔ (۳) فوقانی سند اس وقت کی جاری کردہ ہو جب تحتانی اسناد کی شرط نہیں تھی۔

متوسطہ کے لیے سال اول ودوم کا نصاب: متوسطہ کے سال سوم کا نصاب "وفاق" کی طرف سے مطبوعہ ہے۔ سال اول ودوم کا نصاب "وفاق" کی طرف سے طبع نہیں۔ اہل مدارس حسب سابق مقررہ نصاب پڑھاتے رہیں۔

نصاب کمیٹی کے لیے آراء وتجاویز: نئی نصاب کمیٹی کا اجلاس محرم الحرام ۱۴۲۰ھ میں منعقد ہو رہا ہے۔ نصاب میں اصلاح وترمیم کے لیے اپنی مدلل آراء وتجاویز ۳۰ ذی الحجہ ۱۴۱۹ھ تک دفتر وفاق کو ارسال فرمادیں تاکہ اجلاس میں انہیں زیر بحث لایا جا سکے۔

غیر ملکی اسناد سے معادلہ: غیر ملکی طلبہ کی اسناد کا وفاق کی اسناد سے معادلہ کا اصولی فیصلہ کر دیا گیا ہے۔ متعلقہ سند اور اس کا نصاب وفاق کے کس درجہ کے مساوی ہے، اس کا فیصلہ معادلہ کمیٹی کرے گی۔ وفاق کی اسناد بھی بیرونی اداروں میں معادلتاً قبول کی جائیں، اس کے لیے کوشش کی جا رہی ہے۔

ابو داؤد شریف میں ناکام طلبہ کے لیے: ابو داؤد شریف کے پرچہ سال ۱۴۱۹ھ میں جن طلبہ کے نمبر صفر ہیں، نظر ثانی کی درخواست دینے پر ان کے دوسرے پرچوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے اوسط نمبر دینے کا فیصلہ کیا گیا ہے۔

پنجاب، سرحد اور آزاد کشمیر کے مدارس کی مجلس عمومی کا اجلاس: صوبہ پنجاب، سرحد اور آزاد کشمیر کے وفاق سے ملحقہ مدارس کی مجلس عمومی کے اجلاس اپریل ۱۹۹۹ء کے آخری عشرہ میں منعقد کرنے کا فیصلہ کیا گیا ہے۔ پنجاب کے مدارس کے اجلاس ملتان اور لاہور میں منعقد ہوں گے (تاریخ کا اعلان بعد میں کیا جائے گا) جبکہ سرحد کے اجلاس ۲۰ اپریل کو بنوں اور ۲۱ اپریل کو مردان میں ہوں گے اور آزاد کشمیر کے مدارس کا اجلاس ۲۲ اپریل کو "باغ" میں ہوگا۔

ناکام طالب علم کے لیے مدت امتحان کی تحدید: آئندہ کسی مضمون میں ناکام طالب علم زیادہ سے زیادہ تین سال تک شریک امتحان ہو سکتا ہے۔ تین سال کے بعد تمام پرچوں کا امتحان دوبارہ دینا ہوگا۔

داخلہ کی تاریخوں میں تقدیم: دفتری کارروائی کی بروقت تکمیل کے لیے آئندہ سال سے داخلہ کی تاریخیں مقدم کر دی گئی ہیں۔ آئندہ عام فیس کے ساتھ داخلہ فارم یکم ربیع الاول تا ۱۵ ربیع الثانی اور دگنی فیس کے ساتھ ۱۶ ربیع الثانی سے ۳۰ ربیع الثانی تک وصول کیے جائیں گے۔ اس کے بعد کوئی داخلہ فارم قبول نہیں کیا جائے گا۔

امید ہے تمام ارباب مدارس تعاون فرما کر شکریہ کا موقع بخشیں گے۔

العارض: محمد حنیف جالندھری
ناظم اعلیٰ وفاق المدارس العربیہ پاکستان

اسلامی جمہوریہ پاکستان میں اسلام کے عادلانہ نظام کے عملی نفاذ کے لیے
انتخابی اور گروہی سیاست سے الگ تھلگ رہتے ہوئے
رائے عامہ کی بیداری، علماء و کارکنوں کی ذہن سازی اور دینی حلقوں میں رابطہ و مفاہمت کا فروغ

پاکستان شریعت کونسل

کا مقصد قیام اور اساسی ہدف ہے اور کسی بھی دینی وسیاسی جماعت سے وابستہ حضرات اس میں شامل ہو کر فکری، نظریاتی اور علمی جدوجہد میں حصہ لے سکتے ہیں۔ البتہ پاکستان شریعت کونسل کے دستور میں صرف اتنی شرط عائد کی گئی ہے کہ اس کا کسی بھی سطح کا امیر یا جنرل سیکرٹری کسی دوسری جماعت کا عہدہ دار نہیں ہوگا۔

ملک بھر میں پاکستان شریعت کونسل کی رکن سازی جاری ہے

فارم رکنیت اور دیگر معلومات حاصل کرنے کے لیے مندرجہ ذیل حضرات سے رابطہ کریں

پنجاب	مولانا قاری جمیل الرحمن اختر	مسجد امن باغبانپورہ۔ جی ٹی روڈ۔ لاہور
سندھ	مولانا سیف الرحمن ارائیں	جامعہ مفتاح العلوم۔ سائٹ ایریا۔ حیدر آباد
سرحد	مولانا حفیظ الرحمن المدنی	جامعہ معراج العلوم۔ بنوں
بلوچستان	مولانا محی داد خوستی	چینی مسجد۔ شیخ آباد۔ ژوب
آزاد کشمیر	مولانا عبدالحی	مدنی مسجد۔ دھیر کوٹ۔ ضلع باغ
اسلام آباد	مولانا قاری میاں محمد نقشبندی	جامع مسجد سیدنا ابراہیم ۔ واپڈا کالونی۔ H/8

اگر آپ محسوس کرتے ہیں کہ نفاذ اسلام کے حوالہ سے لوگوں کی ذہن سازی علماء کرام اور دینی کارکنوں کی فکری و عملی تربیت اور اسلام دشمن قوتوں اور اداروں کی سرگرمیوں کی نشان دہی اور تعاقب کی ضرورت ہے تو ہمارے ساتھ اس جدوجہد میں شریک ہوں اور اپنی صلاحیتوں، توانائیوں اور وسائل کے ساتھ اسے آگے بڑھائیں۔

منجانب: مولانا فداء الرحمن درخواستی، امیر — جامعہ انوار القرآن آدم ٹاؤن 11-C-T نارتھ کراچی
ابو عمار زاہد الراشدی، سیکرٹری جنرل — مرکزی جامع مسجد۔ پوسٹ بکس ۳۳۱۔ گوجرانوالہ

پاکستان شریعت کونسل

REGD. NO.
L. 8736

Fortnightly
AL-SHARIA
Gujranwala

E-mail
alsharia@paknet4.ptc.pk

زمانہ بہترین استاد ہے ———— اور دنیا بہترین کتاب ہے

ABU-OBEIDAH ISLAMIC TRUST PAKISTAN

فاطمۃ الزہراء گرلز ہائی سکول

پکی فتومنڈ اللہ والا بازار نزد مسجد قاری حشمت والی گوجرانوالہ

سرپرست **اقبال احمد خان** سیکرٹری جنرل **فرحت اقبال**

محترم خواتین و حضرات

ہم آپ کے بچوں کے بہتر تعلیمی مستقبل کے لیے آپ کے علاقے میں جدید طرز کی بہترین تعلیمی درسگاہ قائم کر رہے ہیں جو کہ مندرجہ ذیل خصوصیات کی حامل ہے

- بہترین تدریسی اور پرسکون صاف شفاف ماحول
- کشادہ بلڈنگ اور بچوں کے کھیل کود کے لیے کشادہ صحن
- بچوں کی دلچسپی کے لیے تفریحی پروگرام اور تفریح گاہوں کا انتظام
- جدید طریقہ ہائے تدریس • تجربہ کار سٹاف
- فیس معقول جسے ہر طبقے کے لوگ باسانی برداشت کر سکیں
- اسلامی تعلیم پر خصوصی توجہ • کمپیوٹر کی تعلیم اور لائبریری کی سہولت
- یتیم بچوں کو بلا معاوضہ تعلیم دی جائے گی

نرسری تا پنجم
لڑکوں اور لڑکیوں کے لیے

ششم تا دہم
صرف لڑکیوں کے لیے

اپنے بچوں کے بہترین مستقبل کے لیے ہماری درسگاہ میں اپنے بچوں کو داخل کروائیں۔
ہم آپ کے بچوں کے اعلیٰ مستقبل کے ضامن ہیں

داخلہ جاری ہے